نوشیرواں کی بیٹی

نوشیرواں کی بیٹی

داستان امیر حمزہ

حصّہ سوم

مقبول جہانگیر

سکندر کا مینار

جزیرے کی تمام بلاؤں کو ختم کرنے کے بعد امیر حمزہ اور اُن کے ساتھیوں نے فیصلہ کیا کہ یہاں سے اب روانہ ہو جانا چاہیے۔ لیکن عُمرو نے کہا جانے سے پہلے اس جزیرے کو تباہ کر دینا مناسب ہو گا تا کہ پھر یہاں کبھی ایسی بلائیں پیدا نہ ہو سکیں۔ چنانچہ اُس نے جزیرے کے درختوں اور جھاڑیوں میں آگ لگا دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے اور آگ ایک سِرے سے دوسرے سِرے تک پھیل گئی۔

اِس کے بعد سارے آدمی جہازوں پر سوار ہوئے اور ایک بار پھر سمندر کی لہروں پر بہتے ہوئے ہندوستان کی جانب روانہ ہوئے۔ چند روز تک تو کوئی خاص بات نہ ہُوتی مگر چھٹے دِن ملّاحوں اور جہاز رانوں نے چیخ پُکار شروع کی اور

لرزتے کانپتے امیر حمزہ کے پاس آئے۔

اُنھوں نے حیرت سے پُوچھا: s کیا بات ہے؟ تُم لوگ اِتنا شور کیوں مچا رہے ہو؟"

"جناب ایک بُہت بڑی وُہیل مچھلی سمندر میں دکھائی دی ہے۔" اُن میں سے کسی نے جواب دیا۔ "اُس کی لمبائی ہمارے اندازے کے مطابق دو میل کے لگ بھگ ہو گی۔ یہ مچھلی سمندر میں غوطے لگاتی ہوئی تیرتی ہے اور سیدھی ہمارے جہازوں کی طرف چلی آ رہی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر اس کا رُخ تبدیل نہ کیا گیا تو وُہ جہازوں کو تباہ کر ڈالے گی۔"

یہ سُن کر عُمرو، مُقبِل اور بہرام کے ہوش اُڑ گئے لیکن امیر حمزہ کے چہرے پر پریشانی کے آثار دکھائی نہ دیے، وُہ سب کو ساتھ لے کر جہاز کے عرشے پر پُہنچے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ دُور۔۔۔ بُہت دُور۔۔۔ سمندر کے اندر اُونچی اُونچی لہریں اُٹھ رہی ہیں اور ان لہروں کے اندر ایک پہاڑ جیسی مچھلی اُبھرتی ڈُوبتی نظر آ رہی ہے۔ اِس مچھلی کا سر اتنا بڑا تھا جیسے ایک پہاڑی ٹیلا اور اُس کی بڑی

بڑی آنکھیں آگ کی جلتی ہُوئی بھٹیوں کی مانند روشن تھیں۔ وہ سیدھی جہازوں کی طرف چلی آرہی تھی۔ امیر حمزہ اور اُن کے ساتھیوں کو اُس وقت خدا کی قدرت یاد آئی اور دُعا کرنے لگے کہ یا الٰہی اس مچھلی سے جہازوں کو محفوظ رکھ۔ مگر مچھلی نہایت تیز رفتاری سے آرہی تھی اور اب اُنہیں یقین ہو گیا کہ یہ ضُرور جہازوں کو غرق کردے گی۔

یکایک اُنہیں حضرت اسحاق علیہ السّلام کی کمان یاد آئی۔ امیر حمزہ نے فوراً وُہ کمان نِکالی اور تیروں کے ترکش سے ایک تیر نکال کر کمان میں جوڑا۔ اتنے میں وُہ وہیل جہازوں کے نزدیک آگئی۔ اُس وقت پانی میں بڑے بڑے بھَنور پڑرہے تھے۔ امیر حمزہ نے مچھلی کی دائیں آنکھ کا نشانہ لیا اور اللہ کا نام لے کر تیر چلادیا۔ اس تیر میں خدا جانے کیا اثر تھا کہ جونہی مچھلی کی آنکھ میں لگا ایک دھماکا ہُوا اور اس کی آنکھ کی پُتلی غائب ہوگئی۔ امیر حمزہ نے دوسرا تیر چلایا اور مچھلی کی بائیں آنکھ بھی پھوڑدی۔ اب تو مچھلی اِس طرح تڑپنے لگی جیسے ذبح کِیا ہُوا بکرا تڑپتا ہے۔ جہاز تِنکے کی طرح سمندر میں اُچھلنے اور ڈگمگانے لگے۔ مچھلی

کے جسم سے خُون فوّاروں کی مانند اُبلنے لگا اور سمندر کا پانی گہرا سُرخ ہو گیا۔ دیر تک غوطے لگانے اور تڑپنے کے بعد مچھلی سمندر میں ڈوب گئی لیکن اُس کے ڈُوبنے سے سمندر میں ایسا طوفان آیا کہ جہاز ایک دوسرے سے ٹکرانے لگے۔ اُس وقت سُورج بھی غروب ہو چکا تھا اور آسمان پر سیاہ گھٹائیں چھا رہی تھیں۔ بجلی چمک رہی تھی اور بادل گرج رہے تھے۔ ساری رات یہ طوفان جاری رہا اور کسی کو کسی کی خبر نہ رہی۔

صُبح سویرے سب نے دیکھا کہ تین جہازوں میں سے دو باقی رہ گئے ہیں اور ایک جہاز غائب ہے۔ یہ وُہ جہاز تھا جس میں بہرام ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ سوار تھا۔ امیر حمزہ تیسرے جہاز کو نہ پا کر بے حد غمگین ہوئے۔

اُنھیں یقین تھا کہ بہرام کا جہاز سمندر میں ڈُوب گیا ہے۔ بے اختیار رونے لگے۔ امیر حمزہ کو روتے دیکھ کر سب کے آنسو نکل آئے۔ لیکن مجبور تھے، کیا کر سکتے تھے۔ موسم ٹھیک ہوتے ہی دوبارہ سفر پر روانہ ہو گئے۔

اس حادثے نے ٹھیک سات دن بعد پھر ملّاح اور جہاز ران روتے پیٹتے امیر

حمزہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: ”حضور، جزیرے کی بلاؤں، وُہیل مچھلی اور طوفان کے ہاتھوں تو ہم بچ گئے لیکن اس مرتبہ ہم ایسی جگہ پھنس گئے ہیں کہ جہاں سے بچ نکلنا کسی طرح ممکن نہیں۔“

امیر حمزہ نے کہا ”یہ کون سی جگہ ہے؟“

”جنابِ والا، اِسے گردابِ سکندری کہتے ہیں۔ ہزاروں سال سے اس جگہ سمندر میں جہاز غرق ہوتے رہے ہیں۔ دراصل یہاں پانی میں بڑے بڑے بھَنور پیدا ہوتے ہیں اور جہازوں کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ بھَنور میں ایک بار پھنس جانے کے بعد جہاز چکّر کھاتے کھاتے پانی میں غائب ہو جاتا ہے۔“

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ جہازوں کی رفتار آپ ہی آپ بڑھ گئی اور یوں نظر آنے لگا جیسے کوئی نئی طاقت اُنہیں گھسیٹتی ہوئی لے جا رہی ہے۔

”حضور، ہمارے جہازوں کو بھَنور نے کھینچ لیا ہے۔ اب ان کے بچنے کی کوئی صورت نہیں رہی۔“ ایک جہاز ران چلّایا۔ امیر حمزہ کے ساتھی خوف زدہ

ہوئے اور چیخیں مارنے لگے۔ جہاز لٹّو کی طرح پانی میں ایک ہی جگہ گھوم رہے تھے اور پانی کا شور اس قدر تھا کہ کان پڑی آواز سُنائی نہ دیتی تھی۔ سمندر کی لہریں جہازوں سے آ آ کر ٹکراتیں اور جہازوں کے گھُومنے کی رفتار اور تیز ہو جاتی۔

یکایک امیر حمزہ نے پانی کے بیچوں بیچ ایک بلند مینار دیکھا۔ یہ مینار کالے رنگ کے پتھروں سے بنا ہُوا تھا۔ اور بہُت اُونچا تھا۔ اِس مینار کے اُوپر ایک گُنبد بھی تھا جس کے چاروں طرف سے رنگ کی روشنی خارج ہو رہی تھی۔ امیر حمزہ نے ایک بُوڑھے ملّاح سے پُوچھا۔

"بابا، یہ مینار کیسا ہے اور اِسے یہاں کس نے بنوایا ہے؟"

"جناب ہم نے اپنے بزرگوں سے سُنا ہے کہ ہزاروں برس پہلے یہ مینار سکندر ذوالقرنین نے بنوایا تھا اور اس میں ایک خاص طلسم بھی رکھا تھا۔ رات کے اندھیرے میں یہ گُنبد چاند کی مانند چمکتا ہُوا دکھائی دیتا ہے اور سینکڑوں میل دُور سے نظر آ جاتا ہے۔ اسے دیکھ کر جہاز ران اپنے جہاز اِدھر نہیں لاتے

لیکن دن کی روشنی میں سفر کرنے والے بعض بد قسمت جہاز راستے سے بھٹک کر اِدھر آنکلتے ہیں اور بھَنور میں پھنس کر ڈُوب جاتے ہیں۔"

"عجیب بات ہے۔" امیر حمزہ نے کہا۔ "سکندر ذوالقرنین نے جہازوں کی رہنمائی کے لیے تو یہ مینار بنوا دیا لیکن ایسی ترکیب نہ کی کہ اگر کوئی جہاز بھَنور میں پھنس جائے تو نِکلے کیسے؟"

"جناب، اِس کی ترکیب بھی موجود ہے۔" بوڑھے ملّاح نے کہا۔ "اس گنبد کے اندر ایک بُہت بڑا نقّارہ رکھا ہے اور قریب ہی چوب دھری ہے۔ جو شخص گُنبد میں پہنچ کر اس چوب سے نقّارے پر ضرب لگائے گا اس کی آواز سے جہاز بھَنور میں سے نکل جائیں گے۔ یہی طلسم ہے۔ اگر جہازوں کو بچانا ہے تو دیر نہ کیجئے۔ کیونکہ اس مینار کے گِرد سات چکّر کھانے کے بعد جہاز ڈُوب جاتے ہیں۔ فوراً گُنبد پر پہنچ کر نقّارہ بجایئے۔"

یہ سُن کر امیر حمزہ نے کپڑے اُتار کر لنگوٹ باندھا۔ مینار کی بُلندی کا اندازہ لگایا اور جہاز کے مستول پر چڑھنے کے ارادے سے آگے بڑھے۔ اُن کا خیال

تھا کہ مستول پر سے چھلانگ لگا کر مینار تک پُہنچنا کُچھ مُشکل نہ ہو گا۔

اِتنے میں عُمرو سامنے آیا اور کہنے لگا۔

"اے حمزہ، میرے مقابلے میں تُمہاری جان قیمتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم مینار تک پہنچنے کی کوشش میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو۔ پھر ہم کیسے اپنا سردار بنائیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری بجائے میں مینار پر جاؤں اور نقّارہ بجا دُوں۔"

امیر حمزہ حیرت سے عُمرو کا مُنہ دیکھنے لگے۔ اُنہیں گوارا نہ ہُوا کہ عُمرو کو جانے کی اجازت دیں مگر مُقبِل نے سمجھایا کہ عُمرو نہایت پھُرتیلا اور چُست چالاک ہے۔ وُہ آسانی سے گنبد میں جا پہنچے گا۔ یہ سُن کر امیر حمزہ نے عُمرو کو اجازت دے دی۔ اب عُمرو نے اپنی عادت کے مطابق کہا۔

"اے لوگو، دیکھو میں صِرف تمہاری جانوں کی حفاظت کے لیے مینار پر جاتا ہوں۔ اگر میں کامیاب رہا اور خیریت کے ساتھ واپس آ گیا تو تُم مجھے کیا دو

گے؟"

سب نے کہا کہ ایک لاکھ اشرفیاں دیں گے۔

"بہت اچھا۔ بہتر یہ ہے کہ سب لوگ مجھے تحریر لکھ دیں تاکہ بعد میں مُکرنے کی گنجائش نہ رہے۔"

امیر حمزہ، مُقبِل، عادی پہلوان وغیرہ سب نے تحریری وعدہ کیا کہ اگر عُمرو کی کوششوں سے ہماری جانیں بچ گئیں تو اسے ایک لاکھ اشرفیاں دیں گے۔ یہ تحریریں اپنے پاجامے کے نیفے میں اُڑس کر عُمرو نے مینار کی بلندی پر نگاہ کی اور دَم سادھ کر ایسی چھلانگ لگائی کہ سیدھا گنبد کی چوٹی پر پُہنچا۔ لیکن گُنبد کو پتھّر چِکنا تھا۔ اس کا ہاتھ پھسل گیا اور وُہ نیچے گِر پڑا۔

عُمرو کو گِرتے دیکھ کر امیر حمزہ اور مُقبِل چلّائے اور دُعا کرنے لگے۔ خود عُمرو بھی گھبر ایا۔ اُس نے نیچے دیکھا کہ ایک مگرمچھ اپنا خوفناک جبڑا کھولے اُس کا منتظر ہے۔ اُس نے دہشت سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ جب وُہ نیچے گِرا تو

اس کے پیر مگر مچھ کے دانتوں سے ٹکرائے۔ اُس نے پوری قوّت سے ایک اور چھلانگ لگائی اور اِس مرتبہ گُنبد کے اندر پُہنچ گیا۔ اُس کی اس پھُرتی اور تیزی پر جہاز کے ہر شخص کے مُنہ سے تعریف کا کلمہ بلند ہُوا۔

گنبد کے اندر ایک نقّارہ اور اُسے بجانے والی چوب رکھّی تھی۔ عُمرو نے ایک ہاتھ سے چوب اُٹھانے کی کوشش کی مگر وُہ اتنی بھاری تھی کہ کامیاب نہ ہُوا۔ آخر اُس نے دونوں ہاتھوں سے چوب اُٹھائی اور نقّارے پر دے ماری۔ چوب کا نقّارے پر پڑنا تھا کہ ایک ہولناک آواز پیدا ہوئی۔ عُمرو وہیں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ یہ آواز میلوں تک سُنی گئی۔ سمندر کی تہہ میں رہنے والے لاکھوں جانور اور مچھلیاں سطح پر آ گئیں اور اُنھوں نے جہازوں کو بھَنور سے نکال دیا۔ اس کے بعد جہاز تیزی سے روانہ ہوئے اور چند روز کے اندر اندر ایک خوبصورت جزیرے کے پاس پہنچ گئے۔ ملّاحوں نے امیر حمزہ کو بتایا کہ اس جزیرے کو سراندیپ کہتے ہیں۔

اِس سے پہلے کہ ہم سراندیپ جزیرے کے دلچسپ اور حیرت انگیز واقعات

بیان کریں آپ کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ سکندر ذوالقرنین کے بنائے ہوئے گنبد میں عُمرو عیّار پر کیا گزری۔

جب عُمرو کو ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو گنبد کے فرش پر پڑا پایا۔ نقّارہ وہیں رکھا تھا اور وزنی چوب عُمرو کے سینے پر دھری تھی۔ عُمرو نے بڑی مُشکل سے چوب کو سینے سے ہٹایا اور اُٹھ کر گنبد سے باہر جھانکا۔ دُور دُور تک چاروں طرف سمندر ہی مندر تھا۔ پانی میں بڑا جوش تھا اور اُونچی اُونچی لہریں اُٹھ رہیں تھیں۔ بعض وقت یہ لہریں آئیں اور مینار کی نچلی سطح سے اس زور سے ٹکراتیں کہ سفید سفید جھاگ اُڑ کر گنبد کی چوٹی تک پہنچتا اور مینار ہلنے لگتا۔

عُمرو نے امیر حمزہ کے جہازوں کو وہاں نہ پایا تو خوش ہُوا کہ اُن کی جان بچ گئی، لیکن اس کے دل میں یہ خوف بھی تھا کہ وہ خود اِس گنبد سے کیونکر زندہ سلامت نکلے گا۔ کِسی جہاز کے اِدھر آنے کا امکان ہی نہ تھا اور آ بھی جائے تر بھَنور میں پھنس جائے گا۔ اور اگر عُمرو نقّارے پر چوٹ مار دے تو جہاز تو بچ جائے گا لیکن وُہ پھر بھی گنبد ہی میں قید رہے گا۔

یہ سوچ کر عُمرو عیّار بے اختیار رو پڑا اور دیر تک آنسو بہاتا رہا۔ کئی بار اُس نے گنبد کو اچھی طرح دیکھا بھالا کہ شاید اس میں کوئی خفیہ راستہ ملے مگر بے فائدہ۔ اب تو ایڑیاں رگڑ رگڑ کر بھُوکا پیاسا مرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔

دِن ایک ایک کر کے گُزرنے لگے۔ بھُوک اور پیاس کے ہاتھوں عُمرو کی حالت بگڑتی چلی گئی۔ پہلے تو اُٹھ کر گنبد کے اندر ہی چل پھر لیتا تھا، مگر کمزوری بڑھ جانے کے باعث ہر وقت گیلے فرش پر پڑا رہتا۔ کئی مرتبہ اس نے سمندری جھاگ سے اپنی پیاس بجھانے کی کوشش کی مگر اُس کا ذائقہ اِتنا کڑوا کسیلا تھا کہ اس نے دوبارہ چکھنے کی جرأت نہ کی۔ اُس کا پیٹ سُکڑ کر پیٹھ سے جالگا اور ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا۔

ایک روز شام کے وقت جب عُمرو اپنی موت کی آخری گھڑیاں گِن رہا تھا کہ گنبد زور زور سے ہلنے۔ گا اور اُس کی ایک دیوار پھٹ گئی۔ اُس میں سے روشنی کا ایک پیکر نمودار ہُوا۔ یہ پیکر کسی اِنسان کا تھا۔ اُسے دیکھ کر عُمرو کے دل کی حرکت تیز ہو گئی۔ آنے والے نے کہا۔

”اے اُمیّہ کے لڑکے، تجھ پر سلام ہو۔“

اب تو خوف کے مارے عُمرو کی گھِگھی بندھ گئی۔ دل میں کہنے لگا کہ آخری وقت آن پہنچا۔ یہ ضرور موت کا فرشتہ ہے جو رُوح قبض کرنے آیا ہے۔ آنے والے نے دوبارہ سلام کیا تو عُمرو نے جھلّا کر جواب میں کہا۔

”اگر آپ موت کے فرشتے ہی اور میری جان لینے آئے ہیں تو جلدی اپنا کام کیجئے اور چلے جایئے۔ مُجھ سے مذاق کرنے کا آپ کو کوئی حق نہیں۔“

آنے والے نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہنے لگا:

”اے عُمرو، آفرین ہے تیری ہمّت پر۔ ارے بھائی، میں موت کا فرشتہ نہیں ہوں۔“

یہ سُن کر عُمرو نے غور سے آنے والے کی طرف نظر کی۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک بڑے میاں جِن کی برف جیسی لمبی ڈاڑھی ہے، محبّت کی نظروں سے اُسے دیکھ رہے ہیں۔ بڑے میاں کے ہاتھ میں لکڑی کا ایک عصا تھا اور

اُنہوں نے سر سے پیر تک سفید براق کپڑے پہن رکھے تھے۔ اُن کے چہرے پر نور برس رہا تھا اور آنکھوں سے رُعب۔

عُمرو میں نہ جانے کہاں سے طاقت آ گئی کہ فوراً اُٹھ کر اُن بزرگ کے قدموں پر گر پڑا اور پُوچھا۔ "اے خدا کے بندے، تو کون ہے اور یہاں کِس لیے آیا ہے؟"

بزرگ نے عُمرو کو اُٹھا کر گلے سے لگایا اور بولے۔

"میرا نام خضر ہے۔ بھُولے بھٹکے کو راستہ بتاتا ہوں اور اِسی کام پر خدا نے مجھے مُقرّر کیا ہے۔ خدا کا شکر ادا کرے کہ اُس نے مجھے یہاں بھیجا تاکہ تجھے اس قید سے رہا کراؤں۔"

"حضرت، قید سے تو بعد میں نکال لیجئے گا، پہلے مجھے کچھ کھلائیے پلائیے۔ خدا جانتا ہے کہ سات دن سے بھوکا پیاسا ہوں۔" عُمرو نے کہا۔

حضرت خضر ہنس پڑے۔ اُنہوں نے اپنی جیب سے میدے کا بنا ہُوا ایک

چھوٹا سا کُلچہ نکالا اور عُمرو کو دیتے ہوئے کہا۔ ”لے اسے کھا لے پھر پینے کے لیے پانی بھی دوں گا۔“

عُمرو نے مُنہ بنا کر کُلچے کو دیکھا جو ایک نوالے سے زیادہ نہ تھا اور حضرت خضر سے کہنے لگا۔

”جناب ذرا مجھے دیکھیے اور اس کُلچے کو ملاحظہ کیجئے۔ کہیں اس سے میرا پیٹ بھر سکتا ہے؟“

”ارے بے وقوف، اِسے کھا تو سہی۔ پھر خُدا کی قدرت کا تماشا دیکھ۔“ حضرت خضر نے کہا۔ ”جس کھانے کی نیّت اپنے دل میں کرے گا، اُسی کا مزہ اِس کُلچے میں پائے گا۔“

عُمرو نے کُلچہ توڑ توڑ کر کھانا شروع کیا اور واقعی جِس قسم کے کھانے کا خیال دل میں کرتا، اسی کھانے کا مزہ زبان پر پاتا۔ اُس نے خوب پیٹ بھر کر کھایا، لیکن کُلچہ جُوں کا تُوں رہا۔ اب تو عُمرو بڑا حیران ہُوا۔ اُس کے بعد حضرت خضر

نے دوسری جیب سے چمڑے کا بنا ہُوا ایک مشکیزہ نکالا، اس کی لمبائی مشکل سے پانچ چھ ہاتھ ہو گی۔ اُس میں پانی بھر ہُوا تھا۔ وُہ عُمرو سے کہنے لگے۔

”لے اس مشکیزے کر مُنہ سے لگا اور جتنا بھی چاہے، پانی پی۔ اس کا پانی کبھی ختم نہ ہو گا۔“

عُمرو نے جی بھر کر پانی پیا اور پھر جو دیکھا تو مشکیزہ ویسے کا ویسا ہی تھا۔ دل میں سوچنے لگا کہ یہ کُلچہ اور مشکیزہ دونوں کام آنے والی چیزیں ہیں۔ کسی طرح حضرت خضر سے ہتھیا لینی چاہیں۔ یہ سوچ کر عاجزی سے کہنے لگا۔

”حضرت، آپ کا بُہت بُہت شکریہ کہ میری بھُوک، پیاس بجھائی لیکن آج تو آپ کام آ گئے۔ کبھی دوبارہ مجھ پر ایسی ہی آفت آئی، تب کیا کروں گا؟“

حضرت خضر یہ سُن کر ہنسے اور وُہ دونوں چیزیں عُمرو کو دیتے ہوئے فرمایا۔

”ہم نے یہ کُلچہ اور مشکیزہ تجھ کو عطا کیا۔ انہیں سنبھال کر رکھیو۔ گُم نہ کیجیو۔ یہ تیرے بڑے کام آئیں گے۔ اور ہاں، یہ نقارہ اور چوب بھی اُٹھا لے۔ یہ

چیزیں دراصل سُلیمان علیہ السّلام کی ہیں جو سکندر ذوالقرنین نے خدا کے حکم سے اس گنبد میں رکھی تھیں۔ اب اِن کی ضرورت نہیں رہی۔ تو یہ نقارہ اور چوب لے جا کر حمزہ کو دے دیجیو۔"

عُمرو نے تعجّب سے حضرت خضر کی جانب دیکھا اور بولا۔

"حضرت اتنا وزنی نقارہ اور اتنی بھاری چوب میں تو کیا میرے باپ دادا بھی نہیں اُٹھا سکتے۔ انہیں اُٹھانے کے لیے عادی جیسے ایک ہزار پہلوان چاہیں۔"

حضرت خضر علیہ السّلام نے اب اپنی چادر اُتاری اور عُمرو کو دیتے ہوئے کہا۔

"یہ لے، سب سامان اس باندھ تجھے ذرا بھی بوجھ محسوس نہ ہو گا۔ جتنا جی چاہے وزن اِس چادر میں باندھ اور کچھ پروا نہ کر۔"

عُمرو نے جھٹ چادر سنبھال لی۔ اُسے نیچے رکھا کر فوراً نقارہ اور چوب اس میں رکھ کر باندھا اور گٹھڑی بنا کر پیٹھ پر دھر لی۔

"اب اِدھر آ اور آنکھیں بند کر کے میری پیٹھ پر ہاتھ رکھ۔ میں تجھے اسمِ

اعظم بتاتا ہوں وہ پڑھتا جا۔"

عُمرو نے اُن کے کہنے پر عمل کیا اور آنکھیں بند کر کے اسمِ اعظم پڑھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد خضر علیہ السّلام کی آواز کانوں میں آئی۔

"اے عُمرو، آنکھیں کھول اور دیکھ کہ تو کہاں ہے۔"

عُمرو نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں۔ دیکھا کہ نہ وُہ سمندر ہے نہ گنبد اور نہ خضر علیہ السّلام۔ وُہ ایک ویران اور بھیانک ریگستان کے کنارے کھڑا ہے۔ آدمی نہ آدم زاد۔ ہر طرف ریت ہی ریت اور خشک جھاڑیاں ہی جھاڑیاں۔ دل میں کہنے لگا اِسے کہتے ہیں آسمان سے گِرا کھجور میں اٹکا۔ واہ حضرت خضر، کیا خُوب راہ بتائی۔ سمندر سے نکالا اور ریگستان میں لا کر پھینک دیا۔ اب جاؤں تو کدھر جاؤں؟

اسی فکر میں گُم تھا کہ ایک آواز کان میں آئی۔

"دیر نہ کر، سیدھا مغرب کی طرف روانہ ہو۔ جلد اپنی منزل پر پہنچ جائے

گا۔“

یہ آواز حضرت خضر علیہ السّلام کی تھی۔ عُمرو نے اطمینان کا سانس لیا اور مغرب کی جانب چلنے لگا۔ چلتے چلتے کئی دن گزر گئے۔ ریگستان ختم ہونے میں نہ آتا تھا۔ جب بھوک لگتی وہی کُلچہ نکال کر کھاتا اور مشکیزے کے پانی سے پیاس بجھالیتا۔ تمام ریگستان میں اسے کہیں بھی پانی نظر نہ آیا۔ اگر کلچی اور مشکیزہ اس کے پاس نہ ہوتا تو کبھی کا مَر چکا ہوتا۔

ساتویں دن تھکن سے چور اور پاؤں کے چھالوں سے نڈھال ہو کر ایک چھوٹی سی بستی کے نزدیک پُہنچا۔ بستی کے باہر ایک کچّے مکان میں سے پانچ آدمی باہر نکلے۔ اُنہوں نے بڑا قیمتی لباس پہن رکھا تھا۔ اُن میں سے چار آدمی تو گھوڑوں پر سوار ہر کر چلے گئے اور پانچواں پیدل رہ گیا۔ عُمرو اُس کے پاس پُہنچا اور کہنے لگا۔

”بھائی تم کون ہو اور کہاں رہتے ہو؟ تمہارے ساتھی گھوڑوں پر سوار ہو کر چلے گئے لیکن تمہارا گھوڑا کہاں ہے؟“

وُہ شخص رو پڑا پھر کہنے لگا۔

”اے عُمرو، ہم پانچوں شہید ہیں۔ خدائے واحد پر یقین اور ایمان رکھتے تھے۔ کافروں کے ساتھ جنگ میں شہید ہوئے۔ میرے چاروں ساتھی جب شہید ہوئے تو اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار تھے، اور میں پیدل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کو اِس زندگی میں بھی گھوڑے ملے ہیں اور میں پیدل ہُوں۔ اگر تم مہربانی کر کے میرا ایک کام کر دو تو ممکن ہے خُدا مجھے بھی گھوڑا عطا کر دے۔“

یہ کہانی سُن کر عُمرو سخت حیران ہُوا اور دل میں کہنے لگا ضُرور یہ شخص شہید ہے ورنہ اسے میرا نام کیسے معلوم ہوتا۔

”آپ کام بتایئے۔ وعدہ کرتا ہوں کہ ضُرور کروں گا۔“ عُمرو نے کہا۔

”بھائی عُمرو، یہاں سے بارہ کوس پر ایک اور بستی ہے۔ میں وہیں رہتا تھا۔ فلاں محلّے میں میرا گھر ہے۔ تم بے دھڑک چلے جانا اور میرے عزیزوں سے کہنا کہ میں نے تمھیں بھیجا ہے۔ مکان کے صحن میں ایک درخت ہے۔ اُس درخت

کی جڑ کھودنا وہاں سے تمھیں دو ہزار اشرفیاں ملیں گی۔ یہ اشرفیاں میں نے محنت مزدوری کر کے حاصل کی تھیں اور انہیں احتیاط سے زمین میں گاڑ دیا تھا کہ ضرورت کے وقت کام آئیں۔ مگر اسی دوران میں کافروں سے لڑائی ہوئی اور مَیں شہید ہو گیا۔ اِن اشرفیوں کا راز اب میرے سوا کسی کو معلوم نہیں، تم اِن اشرفیوں کے تین حصّے کرنا۔ ایک حصّہ میرے عزیزوں کو دینا، ایک حصّہ خود رکھ لینا اور ایک حصّے کا اچھا سا گھوڑا خرید کر کسی محتاج کو خدا کے نام پر دے دینا۔ اسی صورت میں مجھے گھوڑا مِل سکے گا۔"

عُمرو نے وعدہ کیا اور دن رات چلتے ہوئے اُس بستی میں پہنچا۔ لوگوں سے پتا کیا کہ شہید کا مکان کدھر ہے۔ پھر اس محلّے میں گیا۔ درخت کی جڑ کھود کر اشرفیاں نکالیں۔ ایک حصّہ شہید کے رشتے داروں کو دیا، دوسرا اپنے پاس رکھا۔ اور تیسرے حصّے سے نہایت خوب صورت گھوڑا خرید کر خُدا کے نام پر ایک ایسے شخص کو دے دیا جس کی دونوں ٹانگیں بے کار ہو چکی تھیں اور وُہ بے چارہ گھِسٹ گھِسٹ کر چلتا تھا۔

اسی طرح کئی دن پھرتا رہا۔ آخر ایک دن اُسی شہید کی زیارت ہوئی۔ وُہ اُسی طرح کے گھوڑے پر سوار تھا جیسا گھوڑا عُمرو نے خرید کر مُحتاج کو دیا تھا۔ شہید کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔ عُمرو کو دیکھ کر وہ بُہت خُوش ہُوا اور کہنے لگا۔

"اے بھائی، تو نے مجھ پر بڑا احسان کیا۔ اب خوش ہو کہ تیری مصیبت کے دن بھی گزر گئے۔ امیر حمزہ اور اُن کے تمام دوست خیریت سے جزیرہ سراندیپ پر اُتر گئے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ تو مر چکا ہو گا، اس لیے وُہ دن رات تیری موت کے غم میں روتے رہتے ہیں۔ جلد وہاں پہنچ اور اُن کو تسلّی دے۔"

"جزیرہ سراندیپ یہاں سے کتنی دُور ہے؟" عُمرو نے پُوچھا۔

"کوئی دو ہزار میل دُور ہو گا۔" شہید نے جواب دیا۔

یہ سُن کر عُمرو رونے لگا اور کہا کہ اتنی دُور میں کیونکر جا سکوں گا۔ میرے

پیروں میں تو پہلے ہی چلتے چلتے چھالے پڑ چکے ہیں۔ تب اُس مردِ شہید نے عُمرو کو تسلّی دی۔ گھوڑے کی پیٹھ سے ایک جال اور سبز رنگ کا ایک کمبل اُتار کر اُس کو دیا اور کہنے لگا۔

"یہ دو تحفے تجھے دیتا ہوں۔ اس جال میں یہ خوبی ہے کہ ہزاروں لاکھوں من بوجھ اُٹھا لے گا۔ لیکن تجھے بالکل محسوس نہ ہو گا کہ تو نے اتنا بوجھ اُٹھا رکھا ہے۔ یہ جال الیاس علیہ السّلام کی زنبیل ہے۔ دوسری چیز یہ سبز کمبل ہے۔ تو اسے اوڑھ لے گا تو تجھے کوئی نہ دیکھ سکے گا اور تو سب کو دیکھے گا۔ اب آنکھیں بند کر اور جب تک میں اجازت نہ دوں، ہرگز نہ کھولیو۔"

عُمرو نے آنکھیں بند کیں۔ اُسے یوں محسوس ہُوا جیسے اُس کا بدن ہلکا پھلکا ہو کر روئی کے گالے کی طرح ہُوا میں اُڑ رہا ہے۔ چند منٹ بعد آواز آئی، آنکھیں کھول۔ عُمرو نے آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو سر سبز اور حسین جنگل میں کھڑا پایا۔ زنبیل اور سبز کمبل دونوں اس کے پاس تھے۔ وُہ جنگل میں گھومنے پھرنے لگا۔ ناگہاں ایک شخص نظر آیا جو ایک چشمے کے پاس کھڑا پانی پی رہا

تھا۔ عُمرو نے اُس سے پُوچھا۔

"اس جگہ کا کیانام ہے؟"

"اِسے جزیرہ سراندیپ کہتے ہیں۔" اُس شخص نے جواب دیا۔ پھر عُمرو کو غور سے دیکھ کر بولا۔ "لیکن تُم کہاں سے آئے ہو اور کون ہو؟ جلد بتاؤ ورنہ ابھی تلوار سے تمہاری گردن اُڑادُوں گا۔"

یہ کہتے ہی اُس نے اپنی کمر سے بندھی ہوئی تلوار کھولی اور عُمرو کی طرف لپکا۔ عُمرو نے فوراً سبز کمبل اوڑھ لیااور اس شخص کہ نظروں سے غائب ہو گیا۔ عُمرو کو یوں غائب ہوتا دیکھ کر وُہ شخص اِتنا ڈرا کہ تلوار پھینک کر چیختا چلّاتا ایک جانب بھاگ نِکلا۔ عُمرو بھی اُس کے پیچھے پیچھے دوڑنے لگا۔ اِسی بھاگ دوڑ میں وُہ میلوں دُور نکل گیا۔ ایک جگہ کیا دیکھا کہ امیر حمزہ کا لشکر پڑاؤ ڈالے پڑا ہے اور سب لوگوں نے ماتمی لباس پہن رکھا ہے۔

عُمرو عیّار کا بھوت

عُمرو نے اپنا عیّاری کا سامان نکالا۔ چہرے پر ایک تیل ایسا ملا کہ جِلد کا رنگ سیاہ ہو گیا۔ اس کے بعد نقلی مونچھیں اور داڑھی لگا کر امیر حمزہ کے لشکر میں گیا۔ وہاں اُسے کسی نے نہ پہچانا۔ عُمرو نے ایک سپاہی سے پُوچھا کہ یہ لشکر کِس کا ہے اور سب نے کالے رنگ کے کپڑے کیوں پہن رکھّے ہیں۔ اُس سپاہی نے جواب دیا۔ ”یہ لشکر امیر حمزہ کا ہے۔ ہندوستان کے بادشاہ لِندھور سے لڑنے آیا ہے۔ امیر حمزہ کا ایک عزیز دوست جِس کا نام عُمرو تھا، سمندر میں مر گیا، اُسی کے غم میں سب نے کالے رنگ کے کپڑے پہنے ہیں۔“

یہ سُن کر عُمرو دِل میں خوب ہنسا اور کہنے لگا، اِن لوگوں نے مجھے جیتے جی مار ڈالا۔ بدلہ لیے بغیر نہ چھوڑوں گا۔ گھومتا پھرتا وہاں پہنچا جہاں عادی پہلوان

کھانے سے بھری ہوئی دیگیں غریبوں اور فقیروں میں بانٹ رہا تھا۔ عُمرو بھی فقیروں میں شامل ہو گیا۔ عادی نے اُس کی جھولی میں بھی ڈھیر سارے چاول ڈال دیئے۔ عُمرو نے تھوڑے سے چاول کھائے باقی ایک شخص کو دے دیئے اور دوبارہ فقروں کی قطار میں آن گھُسا۔ اپنی باری آنے پر عادی پہلوان کے سامنے جھولی پھیلائی۔ عادی نے ایک نظر اُسے دیکھا اور غصّے سے چلّایا۔

”تو بڑا لالچی فقیر ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے میں نے تجھے جھولی بھر کر چاول دیے تھے۔ اب دوبارہ آ کر مجھے دھوکا دیتا ہے۔ چُپکے سے چلا جا ورنہ تیری ہڈّیاں پسلیاں توڑ ڈالوں گا۔ یہ کھانا محتاجوں کے لئے پکوایا گیا ہے، تجھ جیسے ہٹّے کٹّے مُشٹنڈوں کے لیے نہیں۔“

یہ کہہ کر عادی نے عُمرو کی گردن میں ہاتھ دے کر قطار سے باہر نکال دیا۔ عُمرو کہنے لگا۔

”او بد نصیب پہلوان، تُو نے ہماری توہین کی ہے۔ ہم تجھ سے بدلہ لیں گے۔“

”ابے جاتا ہے یا ڈنڈا ڈولی کراؤں۔“ عادی پہلوان نے آنکھیں نکال کر کہا۔

”بڑا آیا ہے بدلے لینے والا۔“

عُمرو چُپ چاپ وہاں سے ہٹ کر ایک طرف بیٹھ گیا۔ رات ہوئی تو سب لوگ اپنے اپنے خیموں میں سوئے۔ عُمرو نے سبز کمبل اوڑھا اور عادی پہلوان کے خیمے میں گھُس گیا۔ دیکھا کہ ایک لمبی بڑی مسہری پر پڑا خرّاٹے لے رہا ہے۔ اِرد گرد خوبصورت کافوری شمعیں روشن ہیں۔

عُمرو اُچھل کر مسہری پر بیٹھا اور عادی پہلوان کی چھاتی پر بیٹھ گیا۔ پھر دونوں ہاتھوں سے اُس کا گلا دبانے لگا۔ عادی پہلوان نے آنکھیں کھول دیں۔ اسے محسوس ہُوا کہ چھاتی پر کچھ بوجھ سا رکھا ہے۔ ڈر کے مارے تھر تھر کانپنے لگا۔ یکایک عُمرو نے اپنی آواز کو خوفناک بناتے ہوئے کہا۔

”اُٹھو پہلوان، میں تجھے لینے آیا ہوں۔“

”کون ہو تم، اور مجھے کہاں لے جانے آئے ہو؟“ عادی نے چلّا کر پُوچھا۔

”ہاہاہا۔۔۔ ہاہاہا۔۔۔“ عُمرو نے قہقہہ لگایا۔ ”میں موت کا فرشتہ ہوں۔۔۔۔ اور تجھے جنّت میں لے جانے کو آیا ہوں۔ چند روز پہلے تیرا ایک دوست عُمرو مَرا تھا۔ اُس کی روح کو جنّت میں لے جانے کا حکم ہُوا، لیکن وُہ جنّت کے دروازے پر مچل گیا اور کہنے لگا کہ جب تک میرے دوست عادی پہلوان کو نہ لاؤ گے میں ہر گز جنّت نہ جاؤں گا۔ اس پر خُدا نے مجھے حکم دیا کہ تیری روح قبض کروں۔“

عادی پہلوان خوف کے مارے ہکلانے لگا اور کہا۔ ”اے موت کے فرشتے۔۔۔ میری جان بخشی کر۔۔۔۔ میں کِسی عُمرو مرو کو نہیں جانتا اور نہ اس نام کا کوئی آدمی میرا دوست تھا۔ کسی نے غلط خبر دی ہے۔“

”ہاں، ایسا تو ہو سکتا ہے لیکن میں تجھے کیونکر چھوڑ دوں۔ البتّہ ایک صورت یہ ہے کہ تو مجھے کچھ مال دولت دے تاکہ عُمرو کو لے جا کر دے دوں۔ شاید اس لالچ میں آکر وُہ تجھے بھول جائے۔“

”وُہ سامنے ایک کرسی پر اشرفیوں کا صندوقچی رکھا ہے۔ اسے لے جایئے اور

مجھے معاف کیجئے۔" عادی نے گڑ گڑا کر کہا۔

عُمرو اُس کی چھاتی سے اُتر آیا اور صندوقچی بغل میں دبا کر خیمے سے نکل گیا۔ اس کے بعد رات بھر عادی پہلوان کو نیند نہ آئی۔ دل میں عُمرو کو بُرا بھلا کہتا تھا کہ کم بخت نے مرنے کے بعد بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ صبح مُنہ اندھیرے اُٹھا اور امیر حمزہ کے پاس گیا۔ امیر حمزہ نے حیرت سے عادی کو دیکھا۔ اُس کا چہرہ ہلدی کی طرح پیلا پڑ چکا تھا۔ پُوچھنے لگے۔

"بھائی عادی، خیر تو ہے، تم بیمار تو نہیں ہو گئے؟"

تب عادی نے اُنہیں الگ لے جا کر سارا قصّہ سُنایا۔ امیر حمزہ نے اُسے سمجھا بجھا کر رخصت کیا اور دِل میں کہنے لگے۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلوان ضرورت سے زیادہ کھانا کھا گیا ہے۔ یہ سب مِعدے کی گڑبڑ ہے کہ ڈراؤنے خواب نظر آئے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ موت کا فرشتہ آئے اور اشرفیوں کا صندوقچہ لے کر چلا جائے۔" اُنہوں نے

دوسروں کو جب یہ قصّہ سُنایا تو سب زور زور سے ہنسے اور عادی پہلوان کا مذاق اُڑانے لگے۔ وُہ بے چارہ بڑا کھسیانا ہُوا۔

اب سُنیے کہ اگلی رات کو عُمرو پھر آیا، لیکن اس دفعہ مُقبِل وفادار کے خیمے میں جا گھُسا۔ اُسے بھی خوب ڈرایا اور موتیوں کا ایک قیمتی ہار لے کے ٹلا۔ تیسری رات سُلطان بخت مغربی کے سینے پر چڑھ گیا اور جب اُس کا گلا گھوٹا تو وُہ اپنا تاج عُمرو کے حوالے کرنے پر تیّار ہو گیا۔ مُقبِل وفادار اور سلطان مغربی نے بھی امیر حمزہ سے اس حادثے کا ذکر کیا تو وُہ فکر مند ہوئے اور کہنے لگے۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقے میں کسی بھُوت کا اثر ہے۔ بہتر یہی ہے کہ پڑاؤ کسی اور جگہ کیا جائے۔" اُنہوں نے لشکر کے سرداروں کو حکم دے دیا کہ یہاں سے خیمے اُکھاڑ کر دُوسری جگہ لگائے جائیں۔

چوتھی رات جب کہ امیر حمزہ اور اُن کے لشکر کا قیام نئی جگہ پر تھا، عُمرو سبز کمبل اُوڑھ کر آیا اور سیدھا امیر حمزہ کے خیمے میں جا گھُسا۔ وُہ اپنے بستر پر لیٹے چَین کی نیند سو رہے تھے۔ جونہی عُمرو نے امیر حمزہ کا گلا دبایا، اُن کی آنکھ کھُل

گئی۔ دیکھا کہ سینے پر خاصا بوجھ رکھا ہے مگر کوئی نظر نہیں آتا۔ خیال آیا کہ یہ اور کوئی شریر جِن ہے، اِسے پکڑنا چاہیے۔ ایک دَم اُنہوں نے ہاتھ بڑھا کر عُمرو کو پکڑ لیا اور پٹخنی دینا چاہتے تھے کہ عُمرو اپنی اصل آواز میں بولا۔

"ارے بھائی حمزہ، یہ کیا کرتے ہو۔ میری ہڈّیاں چٹخ جائیں گی۔"

امیر حمزہ نے عُمرو کی آواز سُنی تو حیران ہوئے۔ سمجھے کہ وُہ بے چارہ سکندر ذوالقرنین کے مینار پر مَر چُکا ہے اور اب اُس کی رُوح بھٹکتی پھِر رہی ہے۔ کہنے لگے۔

"کیا تو میرے دوست عُمرو کی روح ہے؟"

عُمرو نے اب زیادہ تنگ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ سبز کمبل اُتار دیا اور دوڑ کے امیر حمزہ کے قدموں سے لپٹ گیا۔ پھر ساری داستان سُنائی۔ امیر حمزہ عُمرو کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئے اور اسی وقت سارے لشکر میں منادی کرائی کہ عُمرو عیّار صحیح سلامت آن پُہنچا۔ سب نے خوب خوشیاں منائیں اور کئی روز

جشن ہُوا۔

اب ہم آپ کر جزیرہ سراندیپ کے بارے میں بعض دلچسپ باتیں بتاتے ہیں۔

امیر حمزہ کا لشکر جن دِنوں اس جزیرے میں اُترا۔ اُن دِنوں وہاں سردیوں کا موسم تھا۔ اِسی موسم میں جزیرے کے اندر ایک خوش نما اور بُلند پہاڑ کے دامن میں بُہت بڑا میلا لگتا تھا۔ اِس میلے میں شرکت کے لیے ہندوستان کے تمام راجے مہاراجے اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ آیا کرتے تھے اور اِن سب کا راجہ ہندوستان کا بادشاہ لندھور بھی وہاں بڑی شان و شوکت سے آتا تھا۔ پہاڑ کے دامن میں میلوں تک خیمے اور ڈیرے لگ جاتے اور ایک مہینے تک خوب رونق رہتی۔

کہتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السّلام کو اللہ نے جنّت سے نکال کر زمین پر بھیجا تو سب سے پہلے وُہ اِسی جزیرے سراندیپ میں آئے تھے اور اُن کے قدم کا نشان اس پہاڑ پر موجود تھا جس کے قریب ہر سال میلا لگا کرتا تھا۔

چار پانچ دن بعد عُمرو نے امیر حمزہ سے کہا ”بندے کی خواہش ہے کہ پہاڑ کی سیر کرے اور آدم علیہ السّلام کے قدم کی زیارت بھی کرے۔ آپ کی اجازت درکار ہے۔“

”اجازت ہے لیکن دیر نہ لگانا۔ جلد واپس آنا“ امیر حمزہ نے کہا۔

عُمرو وہاں سے خُوشی خُوشی چلا۔ پہاڑ کے دامن میں پہنچا۔ یہاں عجب خُدا کی قدرت کا تماشا نظر آیا۔ ایسا خُوب صُورت اور بے نظیر پہاڑ عُمرو نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ہر طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا اور جھُومتا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پہاڑ پر نور کی بارش ہو رہی ہے۔ جابجا شفاف پانی کے چشمے رواں تھے اور مِیلوں تک طرح طرح کے پھولوں کے تختے چلتے چلے گئے تھے۔ اُونچے اُونچے پھل دار درخت جب ٹھنڈی ہُوا کے جھونکوں سے جھُومتے تو اُن کے اندر سے ایک نرالا نغمہ پھُوٹتا تھا۔ شاخوں اور ٹہنیوں پر سینکڑوں قسم کے حسین پرندے بیٹھے چہچہا رہے تھے۔

عُمرو جُوں جُوں پہاڑ ہر چڑھتا، ایک سے ایک اعلیٰ اور خُوب صُورت منظر اُس

کی آنکھوں کے سامنے آتا۔ یکایک ایک غار کے دہانے پر پہنچا اور اُس میں جھانکا تو ایک بُڈّھے آدمی کو بیٹھے ہوئے پایا۔ اس کے ہاتھ میں ہزار دانوں کی تسبیح تھی۔ قد جھک کر کمان بن گیا تھا۔ داڑھی مُونچھیں، سر کے بال اور بھویں تک چاندی کی مانند سفید اور چمک دار تھیں۔

عُمرو کے قدموں کی آہٹ پا کر اِس بُڈّھے نے گردن اُٹھائی اور کہا۔

”آؤ بیٹا عُمرو۔۔۔ میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔ تم تو عیّاروں کے بادشاہ ہو۔“

یہ سُن کر تمہیں جزیرے کی بد رُوحیں یاد آ گئیں جو بُڈّھوں کے بھیس میں تھیں وہاں بیٹھی تھیں اور جنہوں نے گردنوں پر سوار ہو کر سب لوگوں کو خوب ڈرایا تھا۔ یہ خیال آتے ہی عُمرو کا خُون کھول اُٹھا۔ سمجھ گیا کہ یہ بھی ویسی ہی کوئی خبیث بلا ہے۔ کسی دھوکے سے میری گردن پر سوار ہو کر دوڑائے گی۔ لیکن میں اب اس کے فریب میں نہ آؤں گا۔ یہ سوچ کر خنجر نکالا اور کہنے لگا۔

”او خبیث بُڈّھے۔۔۔ میں تجھے خوب پہچانتا ہوں۔ ہوشیار ہو جا کہ تیری موت آن پُہنچی ہے۔“

”اے عُمرو، ہوش کی دوا کر، کیا ہمیں بھی اُس جزیرے کی بدرُوح سمجھا ہے۔ ارے کمبخت میرا نام سام ہے اور میں حضرت نوح علیہ السّلام کا بیٹا ہُوں۔ اپنے دادا آدم علیہ السّلام کی زیارت کے لیے آیا ہوں۔ کل رات میں نے میں خواب میں دیکھا تھا۔ کہتے تھے عیّاروں کا بادشاہ عُمرو عیّار آنے والا ہے۔ اُس کا استقبال کرنا اور کہنا کہ میرے قدم کی زیارت کو ضرور آئے۔ اُسے بڑا فائدہ پہنچے گا۔ سو میں تمہارے انتظار میں بیٹھا ہوں۔“

عُمرو یہ سُن کر شرمندہ ہوا اور خنجر چھُپا لیا۔ سام نے ایک کُدال عُمرو کو دی اور کہا: ”اُس جگہ جا کر زمین کھود، جو تیری قسمت میں ہے زمین سے نکلے گا، لیکن زیادہ لالچ نہ کرنا۔“

عُمرو وہ کُدال لے کر بتائی ہوئی جگہ پر پہنچا اور زمین کھودنے لگا۔ تین چار فُٹ گہرائی میں سے لوُہے کا ایک بڑا صندوق نکلا۔ عُمرو خُوش ہُوا کہ اِس صندوق

میں سے خزانہ بر آمد ہو گا، مگر جب ڈھکنا کھولا تو اُس میں ایک یاقوت کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ بڑا مایوس ہُوا۔ یاقوت کو تو جیب میں رکھا اور پھر کُدال اُٹھا کر کھودنے لگا۔ کھودتے کھودتے بازو شَل ہو گئے اور ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے لیکن کچھ اور حاصل نہ ہُوا۔ تب ہانپتا کانپتا سام کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

"بڑے میاں، مُجھے صرف ایک یاقوت ملا ہے جو میرے کسی کام کا نہیں۔ کوئی اور طریقہ بتایئے جِس میں زیادہ مال مِلنے کی اُمّید ہو۔"

سام یہ بات سُن کر بُہت ہنسے اور کہنے لگے۔

"بیٹا عُمرو، لالچ نے تجھے اندھا کر دیا ہے۔ آنکھیں کھول کر اِس یاقوت کر دیکھ۔ دنیا بھر میں ایسا قیمتی پتھر کہیں اور نہ ملے گا۔ سات سلطنتوں کی قیمت بھی اِس کے مقابلے میں کم ہے۔ اچھا، خیر اب تو سیدھا اس پہاڑ کی چوٹی پر چلا جا۔ مُمکن ہے تجھے کچھ اور مِل جائے مگر دیکھنا لالچ نہ کرنا۔"

عُمرو بڑی کوشش کے بعد اس پہاڑ کی چُوٹی پر پہنچنے میں کامیاب ہُوا۔ اِتنی

اونچائی پر سے درخت چھوٹے چھوٹے پودے نظر آتے تھے اور مکان بچّوں کے بنائے ہوئے گھروندے۔ پہاڑ کی چوٹی کے قریب ایک بت بڑا غار نظر آیا جسے خوشبو دار پودوں کی بیلوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔ اس غار کے قریب ہی ایک حوض تھا جس میں پہاڑی چشمے کا پانی جمع ہو رہا تھا۔ عُمرو نے اس حوض پر بیٹھ کر مُنہ ہاتھ دھویا اور خُدا کا نام لے کر غار میں داخل ہو گیا۔ غار کے اندر عجیب طرح کی روشنی پھیلی ہوئی تھی لیکن کچھ پتہ نہ چلتا تھا کہ یہ روشنی کہاں سے آتی ہے۔

یکایک عُمرو نے ایک بُہت بڑا سفید پتھر دیکھا جس پر کسی اِنسان کے قدم کا نشان بنا ہُوا تھا۔ وُہ سمجھ گیا کہ یہی حضرت آدم علیہ السّلام کے قدم کا نشان ہے، بڑی عزّت اور محبّت سے عُمرو نے اُس نشان کو بوسہ دیا۔ پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اِس پتھر کے چاروں طرف لاکھوں قسم کے لعل، یاقوت، الماس، فیروزے اور زُمرّدوں کا ڈھیر لگا تھا اور اِنہی جواہرات سے روشنی پھُوٹ کر غار کو روشن کر رہی تھی۔

جواہرات کا اتنا بڑا خزانہ یُوں کھلے عام پڑا دیکھ کر عُمرو سام کی نصیحت بھول گیا کہ لالچ نہ کرنا۔ جھَٹ پَٹ خضر علیہ السّلام کی دی ہُوئی چادر بچھا کر سارا خزانہ اس میں باندھا اور کمر پر لاد کر واپس چلا، مگر چلتے چلتے کئی گھنٹے بیت گئے اور غار کا مُنہ دکھائی نہ دیا۔ اب خیال آیا کہ یہ سب کچھ لالچ کا نتیجہ ہے وُہ واپس اُسی طرف چلا جدھر سے جواہرات لایا تھا۔ وہاں پہنچ کر جواہرات جِس جگہ سے اُٹھائے تھے وہیں رکھ دیئے اور پلٹ کر دیکھا تو غار کا مُنہ دِکھائی دینے لگا۔ سمجھ گیا کہ لالچ کی وجہ سے گار کا مُنہ نظر نہ آتا تھا، اپنی اس حرکت پر بے حد شرمندہ ہُوا اور وہیں پتھّر کے ساتھ بیٹھ کر رونے لگا۔ روتے روتے آنکھ لگ گئی۔ خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ پانچ بُزرگ جِن کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح چمکتے ہیں، غار میں داخل ہُوئے اور اُس کے قریب آکر رُک گئے۔ پھِر اُن میں سے ایک بُزرگ نے جو عُمر میں باقی چاروں سے زیادہ بڑے نظر آتے تھے، عُمرو کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا۔

”میں آدم ہُوں۔ تیرے لیے یہ لباس لایا ہُوں۔ اِسے دیو جامہ کہتے ہیں۔ اِس

میں ایک زنبیل ہے، جو چیز اِس زنبیل میں ڈال دے گا غائب ہو جائے گی اور جُو کُچھ طلب کرے گا، اِس میں سے نِکل آئے گا۔ اِس زنبیل کی ایک خاصیّت اور ہے جب اِس پر ہاتھ رکھے گا اور جِس شکل میں آنا چاہے گا، تیری وہی شکل بن جائے گی اور جو زبان چاہے گا بولے گا۔ اِسے اِحتیاط سے رکھنا۔"

حضرت آدم علیہ السّلام نے یہ بے نظیر تُحفہ عُمرو کو دیا اور اُس نے نہایت ادب سے سلام کر کے لے لیا۔ اُس کے بعد دُوسرے بزرگ نے آگے بڑھ کر عُمرو کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا۔

"میرا نام اسحاق ہے اور میں خُدا کا پیغمبر ہُوں۔ تجھ سے خُوش ہو کر یہ پیالہ تجھے دیتا ہُوں۔ اِس پیالے میں یہ خاصیّت ہے کہ اِس میں پانی بھر کر جس کسی پر ڈالے گا اس کی شکل ویسی ہی ہو جائے گی جیسی شکل تُو چاہے گا۔"

عُمرو نے وُہ پیالہ بھی سلام کر کے لے لیا۔ اِس کے بعد تیسرے بُزرگ آگے بڑھے اور اُنھوں نے کہا۔

”اے عُمرو، میرا نام داؤد پیغمبر ہے۔ تجھے یہ ساز دیتا ہوں۔ اِسے دو تارا کہتے ہیں۔ اِس میں یہ خاصیّت ہے کہ ہر وُہ راگ جِسے تو بجانا چاہے گا، اِس کے تاروں میں سے نِکلے گا اور دُنیا کا کوئی گویّا تیرے مقابلے میں گانا نہیں گا سکے گا۔“

چوتھے بزرگ نے عُمرو کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور کہا۔

”میرا نام صالح نبی ہے۔ میں تجھے ایک خاص طاقت عطا کرتا ہُوں اور ہُوں اور وُہ یہ کہ اپنی پیٹھ پر جتنا جی چاہیے، وزن اُٹھالے کبھی نہ تھکے گا اور نہ بوجھ محسُوس ہو گا۔“

پانچویں بزرگ نے آگے بڑھ کر ایک آئینہ عُمرو کو دیتے ہوئے کہا۔

”میرا نام سکندر ذوالقرنین ہے۔ اِس آئینے کو حفاظت سے رکھنا اِس میں یہ خُوبی ہے کہ ہر وُہ چیز جو تیری نظروں سے اوجھل ہو، اِس میں دِکھائی دیا کرے گی۔“

عُمرو نے کوئی خوشی خُوشی یہ سب چیزیں لے لیں۔ مگر فوراً ہی اُس کی آنکھ کھل گئی۔ افسوس کرنے لگا کہ کاش یہ خواب نہ ہوتا، مگر جونہی پتھّر کی دوسری جانب نگاہ گئی، دیکھا کہ وُہ سب چیزیں وہاں رکھّی ہیں جو خُدا کے پاک پیغمبروں نے خوش ہو کر اُس کے خواب میں عطا کی تھیں۔

عُمرو نے ان چیزوں کو اُٹھایا اور غار سے نکل کر وہاں آیا جہاں حضرت نوح کے بیٹے سام بیٹھے ہوئے تھے۔ عُمرو نے یہ چیزیں سام کو دکھائیں وُہ بھی خُوش ہوئے اور کہنے لگے۔

"اب تُم فوراً امیر حمزہ کے پاس جاؤ اور اُنہیں یہاں بھیج دو۔ مُجھے یقین ہے کہ حمزہ کو بھی کُچھ تُحفے دیئے جائیں گے۔"

عُمرو نے سام کو سلام کیا اور پہاڑ کی چوٹی سے اُترا۔ راستے میں اُسے شرارت سُوجھی۔ دِل میں کہنے لگا امیر حمزہ کے پاس اپنی اصلی صُورت میں جانا ٹھیک نہیں۔ کِسی اور بھیس میں نہیں جاتا ہُوں دیکھیے وُہ پہچانتے ہیں یا نہیں۔ یہ سوچ کر حضرت آدم علیہ السّلام کی دی ہوئی زنبیل پر ہاتھ دھرا اور کہا۔

”میں چاہتا ہوں کہ میرا قد لمبا اور چہرے کا رنگ کالا ہو جائے۔“

ابھی پُورے الفاظ اُس کے مُنہ سے نکلے بھی نہ تھے کہ ویسی ہی صُورت بن گئی۔ عُمرو نے سکندر کے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا تو ڈر گیا۔ دل میں سویا ایسا نہ ہو کہ ہمیشہ کے لیے یہی صُورت بنی رہے۔ زنبیل پر دوبارہ ہاتھ رکھ کر کہا۔

”میں اپنی اصلی شکل میں آنا چاہتا ہُوں۔“

اِن الفاظ کے کہتے ہی وُہ اصلی صورت پر آ گیا۔ تب اطمینان ہُوا۔ غرض پھر وہی کالا چہرہ اور لمبا قد بنا کر چلا اور داؤد علیہ السّلام کا دو تارا نِکال کر بجانے لگا۔ جس شخص کے کانوں میں بھی اِس ساز کی آواز پہنچی، مست ہو گیا اور جھُومنے لگا۔ ہزاروں آدمیوں کا ہجوم اُس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

اُدھر امیر حمزہ کے خادموں نے اُنھیں اِطّلاع دی کہ لمبے قد اور سیاہ چہرے والا ایک عجیب و غریب شخص آ رہا ہے جس کے ساتھ کئی ہزار آدمی ہیں۔ یہ شخص ایک ساز بجا رہا ہے اور اُس کی آواز نے لوگوں کو مست کر دیا ہے۔

اِتنے میں عُمرو کے گانے اور دو تارا بجانے کی آواز امیر حمزہ کے کانوں تک بھی پُہنچی۔ بے اختیار اپنی جگہ سے اُٹھے اور خیمے سے باہر نِکل آئے۔ عُمرو نے جو نہی اُنہیں دیکھا، سیدھا اُن کی طرف آیا، جھُک کر سلام کیا اور کہنے لگا۔

"جناب، اگر اجازت ہو تو آپ کو گانا سُناؤں؟"

"ہاں، ہاں، ضُرور سُناؤ۔ ہم تمہیں مُنہ مانگا انعام دیں گے۔" امیر حمزہ نے کہا۔

"خُدا آپ کو جزا دے۔" عُمرو نے کہا اور جھُوم جھُوم کر گانے لگا۔ امیر حمزہ اور اُن کے تمام دوست اِس قدر خوش ہوئے کہ سب نے اُس کے آگے سونے چاندی کی اشرفیوں کا ڈھیر لگا دیا۔

"جیسا گانا ہم نے آج سُنا، اس سے پہلے کبھی نہ سُنا تھا۔ تُم واقعی باکمال گوّیے ہو۔ تمہارا نام کیا ہے اور رہنے والے کہاں کے ہو؟"

عُمرو نے جھُک کر سلام کیا اور عاجزی سے دانت نکال کر بولا۔

"جناب، اس غُلام کو سیاہ تن کہتے ہیں۔ یہی میرا نام ہے، اسی مُلک کا رہنے والا

ہُوں۔ بڑے بڑے بادشاہوں اور راجوں مہاراجوں کو گانا سُنانا اور انعام پانا میرا کام ہے۔ ہندوستان کا بادشاہ لندھور تو میرا بڑا قدر دان ہے جس قدر مانگتا ہوں، اس سے کہیں زیادہ دیتا ہے۔ لیکن آرزو یہ ہے کہ جتنا مال میں اُٹھا سکتا ہوں اتنا مال کبھی کِسی نے نہیں دیا۔"

امیر حمزہ یہ سُن کر مُسکرائے اور کہنے لگے۔ "تمہاری یہ آرزو آج پوری ہو جائے گی۔"

یہ کہہ کر اُنہوں نے سلطان بخت مغربی کو بُلایا اور اس سے کہا کہ گویّے کو اپنے ساتھ ہمارے خزانے میں لے جاؤ اور جتنی دولت یہ خُود اُٹھا سکے، اِسے اُٹھانے کی اجازت ہے۔

عُمرو نے پھر جھُک کر سلام کیا اور امیر حمزہ کو دعائیں دیتا ہُوا سلطان بخت مغربی کے ساتھ اس خیمے میں گیا جہاں پہرے داروں کی حفاظت میں خزانہ رکھا ہُوا تھا۔ اشرفیوں اور جواہرات سے بھرے ہوئے سینکڑوں صندوق تھے۔ عُمرو

نے اپنی زنبیل نکالی اور اُس میں ایک ایک کر کے صندوق بھرنے شروع کیے۔ دیکھتے دیکھتے اُس نے تمام صندوق زنبیل میں ڈالے اور زنبیل کو کندھے پر ڈال کر چلنے کے لیے تیار ہُوا۔ اس کی یہ حرکت دیکھ کر پہرے دار اور سلطان بخت مغربی کے ہوش و حواس گُم ہو گئے۔ دوڑے دوڑے امیر حمزہ کے پاس گئے اور کہا۔

”جنابِ والا، وُہ اِنسان نہیں کوئی جِن بھُوت ہے۔ اُس نے خزانے کے تمام صندوق ایک تھیلے میں ڈال کر پیٹھ پر رکھ لیے ہیں اور اب جانے کی تیّاری کر رہاہے۔“

امیر حمزہ نے حیرت سے کہا۔ ”سارے صندوق پیٹھ پر رکھ لیے! ناممکن۔۔۔ بالکل ناممکن۔۔۔۔ اچھّا میں خُود چل کے دیکھتا ہُوں۔“

”عجب تماشا ہے۔ عقل کام نہیں کرتی۔ آخر دُبلا پتلا شخص اِتنا وزن کیونکر اُٹھا سکتا ہے۔“ یکایک خیال آیا کہ یہ گویّا کہیں اپنا یار عُمرو تو نہیں جو صورت بدل کر آ گیا ہے۔ ضرور اِسے کہیں سے کوئی عجیب تحفہ مِلا ہے۔ یہ خیال آتے ہی

امیر حمزہ نے کہا۔

”بھائی عُمرو، ہم نے تمھیں پہچان لیا۔ اب بولو کیا کہتے ہو؟“

یہ سُن کر عُمرو عیّار اپنی اصلی صورت پر آگیا اور امیر حمزہ کے قدموں پر گِر پڑا۔ اُنھوں نے گلے سے لگایا اور اپنے ساتھ لے کر آئے۔ راستے میں عُمرو نے بزرگوں سے ملنے اور طرح طرح کے تحفے دینے کی داستان سُنائی۔ آخر میں کہا۔

”بھائی حمزہ، اُنھوں نے آپ کو بھی بُلایا ہے آدم علیہ السّلام کے قدم شریف کی زیارت کو تشریف لے جایئے۔ مُجھے یقین ہے کہ آپ کو بھی کُچھ نہ کُچھ مِلے گا۔“

امیر حمزہ نے عُمرو کی ہدایت پر عمل کرنے کا وعدہ کیا اور پہاڑ پر جانے کی تیّاریاں کرنے لگے۔

لِندھور کا گُرز

تیسرے دِن امیر حمزہ صبح صبح اُٹھے، فوج کے چند سرداروں اور عُمرو عیّار کو ساتھ لیا اور پہاڑ کی طرف روانہ ہوئے۔ اُنھوں نے ایک وسیع میدان کو پار کیا تو سامنے دریا نظر آیا۔ پہاڑ اُس دریا کے شمال میں تھا اور دھوپ میں اُس کی برفانی چوٹی چمکتی دکھائی دے رہی تھی۔

دریا کے کنارے اُنھوں نے ایک عظیم الشّان عمارت دیکھی۔ یہ عمارت سُرخ پتھّروں کی بنی ہوئی تھی اور اُس کی دیواروں پر بے شمار ہیبت ناک تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ یہ تصویریں دِیوؤں اور بھُوتوں کی تھیں۔ کسی تصویر میں دِکھایا گیا تھا کہ سیاہ رنگ کا ایک دیو سُرخ رنگ کے دیو سے کُشتی لڑ رہا ہے اور کسی تصویر میں بُہت سے دیوؤں کو خوشی سے ناچتے ہوئے دکھایا گیا تھا۔

امیر حمزہ نے حیرت سے اس عمارت اور تصویروں کو دیکھا اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے۔

"تم میں سے کِسی کو معلوم ہے کہ اس میں کون رہتا ہے؟"

سب نے اِنکار میں سر ہلایا۔ عُمرو نے فوراً وُہ مقدس آئینہ نکالا جو سکندر ذوالقرنین نے دیا تھا۔ اُس نے جو نہی آئینے پر نظر ڈالی، دیکھا کہ وُہی عمارت اُس میں نظر آتی ہے۔ اِس کے اندر ایک بُہت بڑا اکھاڑا ہے جس میں بڑے بڑے وزنی ہتھیار رکھے ہیں اور بُہت سے لڑاکا پہلوان زور کر رہے ہیں۔ یہ تماشا دیکھتے ہی عُمرو عیّار نے امیر حمزہ سے کہا۔

"اس کے اندر تو پہلوانوں کا اکھاڑا ہے۔"

"آہا۔۔۔ مزہ آ گیا۔" حمزہ نے کہا "آؤ ذرا ہم بھی اکھاڑے میں چلیں اور پہلوانوں کے کرتب دیکھیں۔"

عُمرو نے اُنہیں روکنے کی بڑی کوشش کی مگر امیر حمزہ نہ مانے اور آگے بڑھ کہ

عمارت کے بڑے دروازے میں گھس گئے۔ اندر جا کر دیکھا اور واقعی عُمرو کا بیان صحیح تھا۔ اکھاڑے کے کناروں پر کئی کئی مَن وزنی گُرز، بلّم، نیزے، برچھے، ڈھالیں، تلواریں اور مگدر پڑے تھے اور بہُت سے پہلوان جو قد میں دیوؤں سے کم نہ تھے، ایک دوسرے کو داؤ پیچ سکھا رہے تھے۔

اُنہوں نے امیر حمزہ کو آتے دیکھا تو حیرت سے کہنے لگے کہ یہ کون ہے جو اِس طرح بغیر اجازت گھُس آیا ہے۔ تَب مُقبِل وفادار نے آگے بڑھ کر سب کا تعارف کرایا۔ اکھاڑے کے ایک اُستاد نے امیر حمزہ سے ہاتھ ملایا اور کہا۔

"یہ اکھاڑا ہندوستان کے راجا لِندھور کا ہے اور یہاں جتنے پہلوان آپ دیکھ رہے ہیں، وُہ سب کے سب لِندھور کے ملازم ہیں۔"

"اگر اجازت ہو تو ہم بھی آپ کے اِن ہتھیاروں کو آزمائیں۔" امیر حمزہ نے مُسکرا کر کہا۔

"ہاں، ہاں۔ ضرور آزمایئے۔" اکھاڑے کے اُستاد پہلوان نے جواب دیا۔

امیر حمزہ نے باری باری سب پہلوانوں سے زور کیا اور اُنہیں پچھاڑا۔ آخر میں اکھاڑے میں رکھے ہوئے بلموں، نیزوں، برچھوں، تلواروں اور گُرزوں کی باری آئی۔ امیر نے یہ تمام ہتھیار آسانی سے اُٹھا کر گھمائے اور رکھ دیئے۔ کئی تلواریں اور نیزے اپنے پنجے سے دُوہرے کر دیے۔

یہ تماشا دیکھ کر اکھاڑے کے تمام پہلوان خوف زدہ ہو گئے اور دل میں کہنے لگے کہ یہ شخص اِنسان نہیں جِن ہے۔ دیکھنے میں تو معمولی سا آدمی ہی ہے، مگر اتنی قوّت کِسی آدمی میں نہیں ہوتی۔

یکایک اکھاڑے کا اُستاد بول اُٹھا۔

”آفرین ہے اُس ماں پر جس کے آپ بیٹے ہیں۔ آیئے آپ کو ایک اور چیز دکھاؤں۔“

وُہ امیر حمزہ کو ایک بڑے سے کمرے میں لے گیا۔ اِس کمرے میں فولاد کا ایک بُہت بڑا گُرز رکھا تھا۔ امیر حمزہ اور اُن کے ساتھی اِس گُرز کو دیکھ کر

حیران ہوئے، کیونکہ وُہ بے حد وزنی تھا اور اُس کا اُٹھانا کسی اِنسان کے بس کی بات نہ تھی۔

”جناب، یہ گُرز ہمارے بادشاہ لِندھور کا ہے۔“ اکھاڑے کے اُستاد نے کہا۔ ”وُہ اِسے ایک کھِلونے کی طرح اُٹھا لیتے ہیں۔ آپ بھی کوشش کیجئے۔“

امیر حمزہ نے اِس گُرز کو اُٹھانے کی کوشش کی، مگر اُٹھنا تو ایک طرف وُہ اُن سے ہِل بھی نہ سکا۔ یہ دیکھ کر امیر حمزہ اور اُن کے ساتھی سخت شرمندہ ہوئے، اکھاڑے کے اُستاد اور دوسرے پہلوانوں نے اُن پر آوازے کسنے شُروع کیے اور قریب تھا کہ آپس میں ہاتھا پائی ہو جائے کہ امیر حمزہ نے اپنے ساتھیوں کو منع کیا اور وہاں سے نِکل آئے۔

اب عُمرو اُنہیں اُس جگہ لے گیا جہاں سام سے مُلاقات ہوئی تھی۔ بڑے میاں ابھی تک وہیں بیٹھے تھے۔ امیر حمزہ کو دیکھ کر خوش ہوئے۔ محبّت سے سر پر ہاتھ پھیرا اور بُہت سی دعائیں دیں۔

امیر حمزہ کا اُترا ہُوا چہرہ دیکھا تو پوچھنے لگے۔ ”کیا بات ہے تم بڑے اُداس نظر آتے ہو؟“

تب امیر حمزہ نے ساری داستان کہہ سُنائی۔ سام یہ سُن کر ہنسے اور کہنے لگے۔

”بس اِتنی سی بات کی فکر ہے۔ اللہ نے چاہا تو ابھی یہ غم دُور ہُوا جاتا ہے۔ لِندھور کا وُہ فولادی گُرز تمہاری قوّت کے سامنے کیا شے ہے۔ ایسے ایسے کئی گُرز تُم اُٹھاؤ گے۔ اچھا یہ کُدال سنبھالو اور یہاں سے دس گز کے فاصلے پر زمین کھودو۔“

امیر حمزہ خُوشی خُوشی اُٹھے اور کُدال سے زمین کھودنے لگے۔ خاصی گہرائی میں سے یاقوت کا ایک دانہ برآمد ہُوا جس کا رنگ کبوتر کے خُون کی طرح سُرخ تھا اور وُہ انگارے کی مانند دہک رہا تھا۔ اُنہوں نے یاقوت کا یہ دانہ سام کو دکھایا تو وُہ کہنے لگے۔

”اِسے حفاظت سے اپنے پاس رکھّو، یہ پتھّر بے شمار موقعوں پر تمہیں فائدہ

پہنچائے گا۔ اب تم اکیلے آدم علیہ السّلام کے قدم کی زیارت کرو۔ جب تک حضرت آدم تمہیں نظر نہ آئیں، وہاں سے نہ آنا۔"

امیر حمزہ یہ حکم پا کر آگے چلے۔ سام نے عُمرو، مُقبِل اور عادی پہلوان وغیرہ کو اپنے لشکر میں واپس چلے جانے کی ہدایت کی اور کہا کہ امیر حمزہ کا انتظار نہ کریں۔ کچھ خبر نہیں کہ وُہ کتنے دِن بعد واپس آئیں۔

اُدھر امیر حمزہ نے آدم علیہ السّلام کے قدم کی زیارت کی اور عبادت میں مصروف ہو گئے۔ دِن ایک ایک کر کے گُزرنے لگے لیکن حضرت آدم علیہ السّلام دکھائی نہ دیے۔ اِس دوران میں امیر حمزہ نے نہ کُچھ کھایا نہ کُچھ پیا۔ عبارت کرنے اور رونے کے سوا کوئی اور کام نہ تھا۔ ٹھیک دسویں دِن جب وُہ سو رہے تھے تو ایک عجیب خواب نظر آیا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ آسمان پر ایک دروازہ نمودار ہُوا اور اُس دروازے میں سے ایک تخت نِکلا۔ تخت پر نورانی شکل کے ایک بزرگ سوار تھے۔ آہستہ آہستہ یہ تخت زمین پر اُترا اور اُس میں سے لمبے قد کے ایک بزرگ نیچے نِکلے، اُن کے سر کے بال، داڑھی اور

بھَنویں برف کی مانند سفید تھیں۔ وُہ امیر حمزہ کے پاس آ کر رُکے اور نرم آواز میں کہا۔

"اے فرزند۔ تجھ پر سلام ہو۔ میں آدم ہوں۔"

امیر حمزہ فوراً اُن کے قدموں سے لپٹ گئے۔ حضرت آدم نے اُنہیں سینے سے لگایا اور کہنے لگے۔

"یہ بازوبند تمہارے لیے لایا ہوں۔ اِسے اپنے دائیں بازو سے باندھ لو۔ اِس کی برکت سے لڑائی میں تمہارے بازو نہ کبھی جھکیں گے اور نہ تھکیں گے۔ ایک ہزار دشمنوں پر بھی وار کرو گے تو سب ایک ہی حملے میں مارے جائیں گے۔ تمہاری تلوار ایک سِرے سے دوسرے سِرے تک سب کو گاجر مولی کی طرح کاٹ دے گی لیکن اِس کے ساتھ چند شرطیں بھی ہیں۔ وعدہ کرو کہ تم اِن پر عمل کرو گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں۔" امیر حمزہ نے کہا۔

”پہلی شرط یہ ہے کہ کسی کا دل نہ دُکھانا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جو شخص، چاہے دشمن ہو، چاہے دوست، تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دینا۔ انکار نہ کرنا۔ تیسری شرط یہ ہے کہ جو تمہارے سامنے سے بھاگ جائے، اُس کا پیچھا نہ کرنا۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ اپنے لشکر کے آگے ڈھول تاشے ہرگز نہ بجانا۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ اپنے دشمن پر کبھی پہلے وار نہ کرنا۔ پہلا وار اُسے کرنے دینا۔ چھٹی شرط یہ ہے کہ خواہ خواہ نعرہ مت مارنا، کیوں کہ تمہاری آواز میلوں تک جائے گی اور اُس کے اثر سے بعض بے گناہ لوگ بھی مر جائیں گے۔ اگر تم نے اِن شرطوں سے ایک شرط کے بھی خلاف کیا تو یہ بازو بند غائب ہو جائے گا اور تم اُسے دوبارہ کبھی نہ پا سکو گے۔“

یہ کہہ کر حضرت آدم علیہ السّلام اپنے تخت پر سوار ہوئے اور آسمان کی جانب پُہنچ کر نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

چند لمحے بعد امیر حمزہ کی آنکھ کھلی۔ دیکھا کہ وُہی بازو بند اُن کے سرہانے دھرا ہے۔ اُسی وقت اُٹھا کر اپنے دائیں بازو پر باندھ لیا اور خُوشی خُوشی وہاں سے

چل کر سام کے پاس پہنچے، وُہ اُن کا انتظار کر رہے تھے۔ بازو بند دیکھ کر خُوش ہُوئے، پھر کہنے لگے۔

"بیٹا حمزہ، ہمارا کام ختم ہُوا۔ اب ہم رُخصت ہوتے ہیں۔ جب ہم مَر جائیں تو اپنے ہاتھوں سے ہماری میّت کو قبر کھُود کر دفن کرنا۔"

یہ کہتے ہی اُن کا جسم بے جان ہو گیا۔ امیر حمزہ نے فوراً قبر کھودی اور سام کی لاش کو دفن کرنے کے بعد لشکر کی طرف چل پڑے۔ راستے میں پھر وہی اکھاڑا دکھائی دیا۔ بے دھڑک اندر گھُس گئے۔ لِندھور کے ملازم پہلوانوں نے اُنہیں آتے دیکھا تو قہقہے لگانے اور مذاق اُڑانے لگے، لیکن امیر حمزہ نے کسی کی طرف توجّہ نہ کی۔ سیدھے اُس کمرے میں گئے جس میں لِندھور کا گُرز رکھا تھا۔ اُنہوں نے جاتے ہی دائیں ہاتھ سے ایک تنکے کی مانند اُٹھا کر کندھے پر رکھ لیا اور باہر آ گئے، پھر اُنہوں نے اُسے ہُوا میں اُچھال کر دوبارہ پکڑ لیا۔ لِندھور کے پہلوانوں کے مُنہ حیرت سے کھُلے کے کھُلے رہ گئے۔ آخر میں امیر حمزہ نے اُس گُرز کو دونوں ہاتھوں سے دبا کر اِس زور سے بھینچا کہ وُہ موم کی

طرح پگھل کر دوہرا ہو گیا۔ اُس مُڑے تُڑے گُرز کو اُنھوں نے وُہیں پھینکا اور ہنستے ہوئے چل دیے۔ اپنے لشکر میں پہنچے تو سب نے خوشیاں منائیں اور کئی دن تک جشن رہا۔

اِس واقعے کی خبر مُخبروں نے لِندھور کو پہنچائی اور بتایا کہ ایک غیر مُلکی شخص اکھاڑے میں آیا اور اپنی طاقت کا تماشا دِکھا کر چلا گیا۔ اِس شخص نے نہ صرف اکھاڑے میں رکھّے ہُوئے تمام ہتھیاروں کو بے کار کیا بلکہ راجا کا خاص گُرز بھی توڑ دیا۔

لِندھور یہ قصّہ سُن کر سخت حیران ہُوا۔ کہنے لگا۔ "یقین نہیں آتا کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ دُنیا میں میرے علاوہ اور کون ایسا ہے جو میرے گُرز کو اُٹھائے اور اُسے توڑ دے۔" وُہ اُسی وقت محل سے نکل کر اکھاڑے میں پہنچا اور اپنے گُرز کی حالت دیکھی تو حیرت سے انگلی دانتوں میں دبالی۔ دل میں سوچا۔

یہ کام کسی اِنسان کا ہرگز نہیں ہو سکتا اور اگر وُہ کوئی اِنسان ہی ہے تو اُس پر ضُرور برکتوں اور رحمتوں کا سایہ ہے۔ میرا مقابلہ اُس سے ٹھیک نہ ہو گا۔

یہ سوچ کر اُس نے ساتھیوں سے کہا کہ آیندہ وُہ شخص اِس اکھاڑے میں آئے تو اُسے بڑے ادب سے میرے پاس لے آنا۔ خبر دار اُسے کوئی رنج نہ پُہنچانا، ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہ ہو گا۔

اُدھر عُمرو عیّار کے دِل میں کھُد بُد ہوئی۔ امیر حمزہ سے کہنے لگا۔

"ذرا معلوم تو کرنا چاہیے کہ اپنے گُرز کی حالت دیکھ کر لِندھور پر کیا گزری۔ اجازت ہو تو میں اُس کے دربار میں جاؤں اور دیکھوں۔"

"ہاں ضرور جاؤ مگر کوئی ایسی حرکت نہ کرنا جو شان کے خلاف ہو۔" امیر حمزہ نے کہا۔

"آپ فکر نہ کریں۔" عُمرو عیّار نے مُسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "لِندھور بھی کیا یاد کرے گا کہ کِسی سے پالا پڑا تھا۔"

عُمرو، امیر حمزہ سے رخصت ہو کر لِندھور کے دربار کی طرف چلّا۔ راستے میں اپنی شکل تبدیل کی اور ایسا حلیہ بنایا کہ جو دیکھتا ہنستے ہنستے بَل پڑ جاتے۔ اُس کے

ہاتھ میں داؤد علیہ السّلام کا دیا ہُوا دوتارا تھا جسے وُہ راستے میں بجاتا ہُوا چلنے لگا۔ لوگ اُس کی آواز پر جمع ہو گئے اور عُمرو کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔

لِندھور کے عظیم الشّان محل کے دروازے پر پُہنچ کر عُمرو نے پہرے داروں سے کہا۔

"جاؤ، اپنے بادشاہ کو خبر کرو کہ ایک گوّیا آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہے۔"

پہرے داروں نے لِندھور کو اطلاع دی کہ ایک عجیب حُلیے کا شخص محل کے دروازے پر آیا ہے۔ کہتا ہے کہ میں گوّیا ہوں اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ لِندھور نے کہا کہ اُسے فوراً حاضر کیا جائے۔

عُمرو جب دربار میں داخل ہُوا تو اُس کی شکل دیکھ کر لِندھور اور سب درباری بے اختیار ہنس پڑے۔

اُدھر عُمرو نے لندھور کو دیکھا تو دہشت سے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ کیا دیکھتا

ہے کہ ایک دیو جیسا شخص جڑاؤ تخت پر شیر کی طرح بیٹھا ہے۔ چہرے کا رنگ توے کی مانِند سیاہ، بڑی بڑی سُرخ آنکھیں اور لمبے لمبے سفید دانت۔ قد کوئی سات فُٹ ہو گا اور گردن گینڈے کی طرح تھی۔ لِندھور نے ہاتھ کے اشارے سے عُمرو کو آگے بُلایا اور پُوچھا۔

"تم کہاں سے آئے ہو اور تمہارا نام کیا ہے؟"

"جہاں پناہ، میں مدائن سے آیا ہوں اور شہنشاہ نوشیرواں کے داماد امیر حمزہ کا نوکر ہوں۔" عُمرو نے جواب دیا۔

"خُوب خُوب۔۔۔۔ تُم نے اپنا نام نہیں بتایا۔" لِندھور نے کہا۔

"حُضور، اِس غلام کو خُوردبُرد کہتے ہیں۔"

"خُوردبُرد؟ بھلا یہ کیا نام ہُوا؟" لِندھور نے حیرت سے پُوچھا۔

"جہاں پناہ، کیا عرض کروں۔ شرم آتی ہے بتاتے ہوئے۔ دراصل مجھے بچپن ہی سے چوری اور اُچکّے پن کی منحوس لَت پڑی ہوئی ہے۔ جس کی جو چیز

دیکھی، غائب کر دی۔ اِسی لیے میرے باپ نے میرا نام خُورد بُرد یعنی اُڑاؤ کھاؤ رکھ دِیا۔"

لِندھور نے قہقہہ لگایا اور عُمرو کو یوں محسوس ہُوا جیسے آسمان پر بادل گرج رہے ہوں۔ "بھئی تم آدمی بہت مزے کے ہو۔ اچھا کچھ گانا وانا تو سُناؤ۔"

عُمرو نے جھک کر لِندھور کر سلام کیا اور آگے بڑھ کر اُس کے ساتھ تخت پر جا بیٹھا۔ درباریوں کو اُس کی یہ حرکت بُری محسوس ہوئی۔ ایک معمولی گویّے کی یہ مجال کہ بادشاہ کے ساتھ برابری کرے۔ ایک پہرے دار آگے بڑھا تاکہ عُمرو کو وہاں سے ہٹائے لیکن لِندھور نے اُسے منع کر دیا اور کہا۔ "یہ گویّا ہمارا مہمان ہے اور جہاں اِس کا جی چاہے، اسے بیٹھنے دیا جائے۔"

عُمرو نے پھر لِندھور کو سلام کیا اور کہا کہ گانے کی اجازت دی جائے۔ لِندھور نے گانے کی اجازت دی تو عُمرو نے دوتارا بجانا شروع کیا

اِس کے بعد ایسی سُریلی آواز میں گایا کہ لِندھور اور اُس کے تمام درباری مست ہو کر جھُومنے لگے۔ لِندھور جس تخت پر بیٹھا تھا اُس کے چاروں کونوں پر زمرّد کے چار مور بنے ہوئے تھے اور ہر مور کی چونچ میں کبوتر کے انڈے کے برابر لعل دبا ہُوا تھا۔ عُمرو نے جب ایسے بیش قیمت لعل دیکھے تو اُس کے مُنہ میں پانی بھر آیا۔ دِل میں فیصلہ کیا کہ جونہی موقع مِلا یہ لعل چُرالوں گا۔

جب اُس نے دیکھا کہ گانا سُن کر لِندھور بالکل مست ہو گیا ہے تو ہاتھ بڑھا کر ایک مُور کی چونچ سے لعل نکال لیا اور جیب میں رکھنا ہی چاہتا تھا کہ لِندھور نے دیکھ لیا اور حیرت نے کہنے لگا۔ ”یہ کیا حرکت ہے؟“

”شش۔۔۔ چُپ۔۔۔ کوئی دیکھ لے گا۔“ عُمرو نے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر لِندھور کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ عُمرو کی اِس حرکت پر لِندھور بے اختیار ہنس پڑا اور بولا۔

”میری چیز میرے ہی سامنے چُراتا ہے، پھر کہتا ہے کہ میں چُپ رہُوں۔ جا، یہ چاروں لعل ہم نے تجھے بخش دیا۔“

یہ سُن کر عُمرو نے فوراً باقی تین لعل بھی موروں کی چونچ سے نکالے اور جیب میں رکھ لیے۔

"گویّے، تو نے آج ہماراجی خوش کر دیا بول تجھے اور کیا عطا کریں۔" لِندھور نے کہا۔

"جہاں پناہ کی عنایت سے میرے پاس سب کچھ موجود ہے۔ کِسی چیز کی حاجت نہیں، ہاں ایک خواہش یہ ہے کہ حضور کو اپنے ہاتھ سے شربت کا ایک پیالہ پلاؤں۔"

لِندھور نے اُسی وقت ملازم کو شربت لانے کا حکم دیا۔ تھوڑی دیر بعد بلّور کی صراحیاں اور شیشے کے خُوبصورت پیالے آ گئے۔ عُمرو نے چُپکے سے اُن صُراحیوں میں بے ہوشی کی دوا ملائی، پھر سب کو پیالے بھر بھر کے دینے لگا۔ اس کے بعد گانا شروع کیا۔ کُچھ گانے کی تاثیر اور کچھ دوا کا اثر، چند لمحے بعد ہی لِندھور اور سب درباری بے ہوش ہو گئے۔ اب عُمرو نے جلدی جلدی دربار کا سارا قیمتی سامان اپنی زنبیل میں بھرَنا شروع کیا۔ کوئی چیز باقی نہ چھوڑی۔ اِس

کے بعد اُس نے لِندھور اور درباریوں کے کپڑے بھی اُتار لیے۔ پھر ایک کاغذ پر چند سطریں لکھیں اور یہ کاغذ لِندھور کے گلے میں ڈال کے رفو چکّر ہو گیا۔

بُہت دیر بعد لِندھور اور اُس کے درباریوں کو ہوش آیا، آنکھ کھُلی تو کیا دیکھا کہ سب لوگ فرش پر ننگ دھڑنگ پڑے ہیں اور دربار کا تمام قیمتی سامان غائب ہے۔ لِندھور اپنی یہ حالت دیکھ کر سخت شرمندہ ہُوا اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ نیا لباس لائیں اور دربار کو فرش اور سامان سے دوبارہ آراستہ کریں۔

یکایک ایک ایلچی نے آکر خبر دی کہ نوشیرواں بادشاہ کے داماد امیر حمزہ نے اپنا ایک سردار حضور کی خدمت میں بھیجا ہے۔ لِندھور نے فوراً اُس سردار کو طلب کیا۔ یہ عادی پہلوان تھا۔ اُس نے جھُک کر سلام کیا اور کہا۔

"جہاں پناہ، میں امیر حمزہ کا ایک پیغام لے کر آیا ہوں۔ ہمیں اِس بات کا بڑا افسوس ہے کہ عُمرو عیّار نے گویّے کے بھیس میں یہاں آکر شرارت کی اور دربار کا سارا سامان اُٹھا کر لے گیا۔ میں آپ کا سب سامان واپس لایا ہُوں۔

اُمّید ہے آپ عُمرو عیّار کا قصور معاف کر دیں گے۔"

لِندھور نے پہلے ہی عُمرو کا نام سُن رکھا تھا۔ جب عادی پہلوان نے اُسے بتایا کہ گویّے کے بھیس میں عُمرو ہی تھا تو وُہ بڑا خوش ہُوا۔ کہنے لگا۔

"ہماری جانب سے امیر حمزہ کو سلام کہنا۔ یہ سب سامان واپس لے جاؤ اور عُمرو ہی کو دے دو۔ اور ہم نے اُس کا قصور معاف کیا۔ اُس سے کہنا کہ کِسی وقت اصلی صورت میں ہمارے پاس آئے۔"

"جہاں پناہ، عُمرو آفت کا پرکالہ ہے۔ اُسے یہاں آنے کی دعوت نہ دیجئے۔ کُچھ اور گُل نہ کِھلائے۔ اگر اُس کی اصلی صورت دیکھنے کا شوق ہے تو چُپکے سے ہمارے لشکر میں آ جایئے، امیر حمزہ بھی آپ سے مِل کر خوش ہوں گے اور آپ عُمرو کو بھی دیکھ لیں گے۔"

"ہاں، یہ ترکیب ٹھیک ہے۔" لِندھور نے کہا۔ "اچھّا، ہم ابھی تمہارے ساتھ چلتے ہیں۔"

لِندھور اُسی وقت اپنے ہاتھی پر سوار ہُوا اور عادی پہلوان کے ساتھ چل پڑا۔ اُدھر امیر حمزہ کو اُن کے جاسوسوں نے خبر دی کہ لِندھور ملاقات کے لیے آ رہا ہے۔ امیر حمزہ نے فوراً اپنے سرداروں اور پہلوانوں کو استقبال کے لیے بھیجا۔ وُہ بڑی عزّت اور احترام سے لِندھور کو لے کر آئے۔ امیر حمزہ نے کھڑے ہو کر اُس کی تعظیم کی اور سونے کی کُرسی پر اپنے برابر بٹھایا۔

اتنے میں عُمرو عیّار نے آکر سلام کیا۔ لِندھور اسے دیکھ کر ہنسا اور کہنے لگا۔

"تو واقعی خُورد بُرد ہے۔۔۔ لیکن ہم تیرا گانا سُننے آئے ہیں۔"

تب امیر حمزہ کی اجازت سے عُمرو نے گانا سُنایا۔ لِندھور نے اپنے گلے سے ہیروں کی مالا اُتاری اور عُمرو کے گلے میں ڈال دی۔ اس کے بعد امیر حمزہ سے باتیں شروع ہوئیں۔ کہنے لگا۔

"میں آپ کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔ امید ہے آپ میری دوستی قبول کریں گے۔"

”مجھے آپ سے دوستی کر کے خُوشی ہوتی لیکن سچ بات یہ ہے کہ میں آپ سے جنگ کرنے آیا ہوں۔“ امیر حمزہ نے جواب دیا۔

”آخر میرا قصور کیا ہے؟“ لِندھور نے کہا۔

”قصور یہ ہے کہ آپ نے نوشیرواں کو خراج ادا کرنا بند کر دیا ہے۔“

لِندھور نے قہقہہ لگایا اور کہا۔ ”بے شک یہ بات صحیح ہے۔ میں نوشیرواں کو خراج کیوں ادا کروں؟ وُہ مجھ سے زیادہ طاقتور نہیں۔ لیکن آپ حکم دیں تو خراج ادا کر دیا کروں گا۔“

یہ سُن کر امیر حمزہ چند لمحے چُپ رہے۔ پھر کہنے لگے۔ ”مگر مُجھے تو بادشاہ نے حکم دیا ہے کہ تمہارا سر کاٹ کر لے جاؤں۔“

لِندھور نے اُسی وقت میان سے تلوار نکال کر امیر حمزہ کے سامنے رکھی، اپنی گردن جھکائی اور کہا۔

”لیجئے یہ تلوار بھی حاضر ہے اور گردن بھی۔“

امیر حمزہ یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ فوراً اُٹھ کر لِندھور کو گلے سے لگایا اور رونے لگے۔ لِندھور کی آنکھیں بھی تَر ہو گئیں۔ کہنے لگا۔

"نہ معلوم کیا بات ہے، آپ کو دیکھتے ہی مجھے یوں محسوس ہُوا جیسے میرا بچھڑا ہُوا بھائی مل گیا ہے، میں کسی طرح بھی آپ سے جنگ نہ کروں گا۔ بلکہ حکم دیجیے تو اپنا لشکر لے کر آپ کے ساتھ ایران چلوں اور نوشیرواں کو قتل کر کے آپ کو اُس کے تخت پر بٹھاؤں۔"

"نہیں لِندھور بھائی، ایسا خیال بھی دل میں نہ لانا۔ نوشیرواں میرا محسن ہے اور محسنوں سے غدّاری کرنا نمک حراموں کا کام ہے۔"

"پھر آپ میرے پاس ہی رہیے۔ میں ہر طرح خدمت کے لیے حاضر ہوں۔" لِندھور نے کہا۔

"یہ بھی ممکن نہیں، مجھے مدائن واپس جانا ہے۔" امیر حمزہ نے کہا۔

زہریلا شربت

امیر حمزہ اور لِندھور کی دوستی اتنی بڑھی کہ دونوں کو ایک دوسرے کے بغیر چین نہ آتا۔ کبھی امیر حمزہ لِندھور کی دعوت کرتے اور کبھی لِندھور امیر حمزہ کو اپنے محل میں لے جاتا۔

اِدھر تو یہ تماشے تھے اُدھر ایک دن چُپکے سے گستم پہلوان ایک چھوٹے سے لشکر سمیت سراندیپ میں آ پہنچا۔ جِس دِن سے چین کے بادشاہ بہرام پر حملہ کر کے فرار ہُوا تھا، اُسی دن کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ گستم پہلوان کی خبر آئی۔ اُسے در اصل نوشیرواں نے اِس حکم کے ساتھ بھیجا تھا کہ ہندوستان جانے اور کسی نہ کسی طرح امیر حمزہ کر ہلاک کرے تاکہ وُہ شہزادی مہر نگار سے شادی نہ کر سکیں۔

نوشیر واں کو اوّل تو یہ یقین تھا کہ لِندھور بڑا زبردست پہلوان ہے، وُہ امیر حمزہ کو زندہ نہ چھوڑے گا اور فرض کرو امیر حمزہ کے ہاتھوں لِندھور مارا بھی گیا، تب گستم پہلوان کِسی نہ کِسی چالاکی سے امیر حمزہ کر ٹھکانے لگادے گا۔

گستم کا لشکر جس روز ایک پہاڑ کے دامن میں اُترا، اُسی روز امیر حمزہ لِندھور کی دعوت پر اُس کے محل میں گئے۔ مُقبِل وفادار کو اپنے خیموں اور سامان کی حفاظت کے لیے پیچھے چھوڑ دیا۔ گستم کے جاسوسوں نے اُسے خبر پہنچائی کہ آج میدان بالکل خالی ہے۔ امیر حمزہ اپنے تمام سرداروں اور پہلوانوں سمیت لِندھور کے محل میں ہیں۔ گستم یہ خبر سُن کر خُوش ہُوا۔ جھٹ اُن دو کنیزوں کو اپنے پاس بُلوایا جنہیں وُہ مدائن سے ساتھ لے کر آیا تھا۔ یہ دونوں کنیزیں شہزادی مہر نگار کے محل کی تھیں اور اُنہیں امیر حمزہ اچھّی طرح پہچانتے تھے۔ گستم نے شربت کی ایک بوتل منگائی اور اس کے اندر ایسا تیز زہر ملایا کہ اگر اس کا ایک قطرہ بھی دریا میں گِرے تو تمام مچھلیاں مَر جائیں۔ شربت کی یہ بوتل اُن کنیزوں کے حوالے کی اور خُوب سِکھا پڑھا کر امیر حمزہ

کے خیموں کی جانب روانہ کر دیا۔ گستم نے اِن کنیزوں سے کہہ دیا تھا کہ اپنے سامنے امیر حمزہ کو یہ شربت پلانا اور کہنا شہزادی مِہر نگار نے خاص طور پر اُنہی کے لیے بھیجا ہے۔

یہ کنیزیں گھوڑوں پر سوار ہو کر امیر حمزہ کے لشکر میں آئیں۔ دیکھا کہ چار پانچ سپاہیوں اور مُقبِل وفادار کے سوا وہاں کوئی اور موجود نہیں۔ اُنھوں نے مُقبِل کو سلام کیا اور کہا۔

"ہم مدائن سے آئے ہیں۔ شہزادی مِہر نگار نے امیر حمزہ کے نام ایک خاص پیغام اور تحفہ بھیجا ہے۔"

"امیر حمزہ یہاں نہیں ہیں۔ تم وُہ تُحفہ اور پیغام مجھے دے دو۔ میں امیر حمزہ تک پہنچا دوں گا۔" مُقبِل نے کہا۔

"جی نہیں۔ شہزادی نے ہمیں تاکید کی تھی کہ امیر حمزہ کے سوا کسی اور کو نہ تُحفہ دینا اور نہ پیغام سُنانا۔ آپ انہیں یہیں بُلوائیے۔"

اب تو مُقبِل مجبُور ہُوا۔ کنیزوں کو امیر حمزہ کے خیمے میں بٹھا کر خُود گھوڑے پر سوار ہُوا۔ لِندھور کے محل میں پہنچا اور امیر حمزہ کے کان میں کہا۔

"مدائن سے دو کنیزیں آئی ہیں۔ شہزادی مِہر نگار نے اُنہیں بھیجا ہے؟"

امیر حمزہ نے پوری بات بھی نہیں سُنی اور فوراً اُٹھ کھڑے ہُوئے۔ لِندھور سے کہنے لگے۔

"میں ایک ضروری کام سے جاتا ہوں۔ تھوڑی دیر میں آ جاؤں گا۔" یہ کہہ کر وُہ اُسی وقت مُقبِل کے ساتھ اپنے خیموں کی طرف آئے۔ دیکھا تو واقعی دونوں کنیزیں شہزادی مِہر نگاہ کے محل کی ہیں۔ مُقبِل کو جانے کا اشارہ کیا اور ان کنیزوں سے بولے۔

"ہاں، اب بتاؤ شہزادی نے کیا کہا ہے اور ہمارے واسطے کون سا تحفہ بھیجا ہے؟"

"سرکار، شربت کی یہ بوتل شہزادی نے آپ کے لیے بھیجی ہے۔" ایک کنیز

نے بوتل نکالتے ہوئے کہا۔ ”یہ شربت شہزادی نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔ اُنھوں نے کہا تھا کہ اپنے سامنے امیر حمزہ کو پلانا۔ جب آپ یہ شربت پی لیں گے تب اُن کا پیغام آپ کو بتایا جائے گا۔“

امیر حمزہ یہ بوتل دیکھ کر اس قدر خوش ہوئے کہ کچھ سوچے سمجھے بغیر ڈاٹ کھول کر بوتل مُنہ سے لگا لی۔ لیکن جونہی اس زہریلے شربت کا پہلا گھونٹ حلق سے نیچے اُترا، سَر چکرایا۔ دھڑام سے فرش پر گِرے اور بے ہوش ہو گئے۔ کنیزوں نے دیکھا کہ امیر حمزہ کا کام تمام ہُوا تو خیمے کی پچھلی جانب سے نکل کر بھاگ گئیں۔

اُدھر جب خاصی دیر ہو گئی اور امیر حمزہ واپس نہ آئے تو لِندھور بے چین ہُوا۔ عُمرو سے کہنے لگا۔

”جلدی جا اور امیر حمزہ کو ساتھ لے کر آ۔ اُن کے بغیر یہ مجلس سونی سونی نظر آتی ہے۔“

عُمرو تو خُود بہانے کی تلاش میں تھا کہ یہاں سے نِکلے اور خبر لے کہ امیر حمزہ کے کان میں مُقبِل نے کیا کہا تھا۔ دوڑا دوڑا خیموں کی جانب گیا۔ وہاں مُقبِل وفادار موجود تھا۔ اُس سے پُوچھا۔

"حمزہ کہاں ہیں؟"

"چپ بے ادب۔۔۔۔ دیکھتا نہیں وُہ اپنے خیمے میں ہیں اور شہزادی مِہر نگار کی کنیزوں سے باتیں کر رہے ہیں۔" مُقبِل نے اُسے ڈانٹا۔

یہ سُن کر عُمرو کا ماتھا ٹھنکا۔ حیرت سے کہنے لگا۔

"شہزادی مِہر نگار کی کنیزیں یہاں کیسے آ گئیں! تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا؟"

"زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں۔ تجھے اگر میری بات میں کچھ شک ہے تو جا کر دیکھ لے۔" مُقبِل نے ناراض ہو کر کہا۔

عُمرو چُپکے چُپکے امیر حمزہ کے خیمے کے پاس گیا اور کان لگا کر آوازہ سُننے کی کوشش کی۔ مگر وہاں تو سنّاٹا تھا۔ اب عُمرو نے خیمے کا پردہ اُٹھا کر اندر جھانکا تو کلیجا اُچھل

کر حلق میں آ گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ امیر حمزہ فرش پر بے ہوش پڑے ہیں، بدن کا رنگ سر سے پیر تک توے کی مانند کالا پڑ گیا ہے۔ قریب ہی شربت کی ایک بوتل بھی ٹوٹی پڑی ہے اور اُس کا شربت جس جگہ گرا ہے، وہاں زمین میں گڑھے پڑ گئے ہیں۔

اُس نے مُقبِل کو بلایا۔ مُقبِل نے یہ حال دیکھا تو سر پیٹنے اور رونے لگا۔ عُمرو نے اُسے ڈانٹا۔

"خاموش رہ۔ شور نہ مچا۔ تو یہاں پہرا دے، کسی کو خیمے کے اندر نہ آنے دینا۔ اگر لِندھور کو پتا چل گیا تو شاید وُہ بغاوت کر دے، پہلے میں اِن کنیزوں کو تو پکڑوں جنھوں نے زہر دیا ہے۔ اُس کے بعد حمزہ کو اچھا کرنے کی تدبیر کروں گا۔"

عُمرو خیمے سے نِکل کر ایک طرف چلا۔ راہ میں اُن دونوں کنیزوں کے قدموں کے نشان دکھائی دیے۔ کیونکہ وُہ اپنے گھوڑوں کو وہیں خیمے کے آگے چھوڑ کر بھاگ نِکلی تھی۔ عُمرو نے کچھ فاصلے پر جا پکڑا اور خنجر نکال کر بولا۔

”سچ سچ بتاؤ کہ تم نے یہ حرکت کِس کے اشارے سے کی ہے؟“

اُنہوں نے گستم کا نام لیا اور سارا قصّہ سُنایا۔ اب عُمرو لِندھور کے محل کی جانب گیا۔ وُہ امیر حمزہ کے انتظار میں بیٹھا تھا۔ عُمرو اُسے ایک طرف لے گیا اور کہا۔

”امیر حمزہ ایک ضروری کام میں لگ گئے ہیں، اِس وقت نہ آ سکیں گے۔ دراصل شہنشاہ نوشیرواں نے اپنے ایک سردار کو امیر حمزہ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا ہے۔ ہمیں شک ہے کہ تم نے لِندھور پر قابو پا لیا ہے، ہمیں یقین اُس وقت آئے گا جب ہمارے اِس سردار کے سامنے لِندھور ایک قیدی کی طرح حاضر ہو گا۔'اب امیر حمزہ نے آپ کو طلب کیا ہے۔“

”یہ تو معمولی بات ہے۔ اگر امیر حمزہ میرا سر بھی طلب کریں تو اپنے ہاتھ سے کاٹ کر پیش کر دوں گا۔“لِندھور نے کہا اور خود اپنے تمام فوجی سرداروں اور پہلوانوں کو بُلا کر حکم دیا کہ ”میں چند دن کے لیے امیر حمزہ کی خدمت میں جاتا ہوں۔ خبردار کوئی شخص بھی مہمانوں کو تنگ کرے یا اُن پر حملہ کرنے کا

خیال دِل میں نہ لائے۔ ورنہ سخت سزا دوں گا۔"

یہ کہ کر اُس نے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں ڈلوائیں، گلے میں رسّی ڈالی اور قیدی بن کر عُمرو کے ساتھ چلا۔ عُمرو نے آدھے راستے میں پہنچ کر پانی پلانے کے بہانے سے لِندھور کو دوا کھِلا کر بے ہوش کیا، پھر اُسے ایک صندوق میں بند کیا اور یہ صندوق اپنی زنبیل میں ڈال دیا۔

لِندھور کی جانب سے بے پرواہو کر عُمرو امیر حمزہ کے پاس گیا۔ وُہ اُسی طرح بے ہوش پڑے تھے لیکن جسم کی رنگت کبھی سُرخ ہوتی اور کبھی سیاہ۔ ہونٹوں کے کناروں سے زرد رنگ کا جھاگ بھی نِکل رہا تھا۔ یکایک دو آدمی گھوڑوں پر سوار وہاں آئے۔ عُمرو نے اُن سے پوچھا کہ آپ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں تو اُن میں سے ایک نے کہا۔

"میرا نام صابر ہے اور یہ میرا بھائی صبُور ہے۔ ہم شہ پال ہندی کے بیٹے ہیں۔ ہمارا باپ بڑا ظالم اور سنگ دِل راجا ہے۔ ظاہر میں وُہ لِندھور کا دوست لیکن حقیقت میں اُس کا دشمن ہے۔ کل ایران کا ایک پہلوان جِس کا نام گستم ہے،

اپنے لاؤ لشکر سمیت ہمارے علاقے میں آیا۔ شہ پال نے اُس کی بڑی خاطر مدارات کی۔ باتوں باتوں میں گستم نے بتایا کہ اُس نے دو عورتوں کو سکھا پڑھا کر امیر حمزہ کے پاس بھیجا ہے تا کہ اُنہیں زہر دے دیا جائے۔ گستم کو یقین ہے کہ اگر یہ زہر امیر حمزہ کے جسم میں داخل ہو گیا تو انہیں دنیا کی کوئی طاقت موت کے مُنہ سے نہیں بچا سکتی۔ ہم نے اُن کی گفتگو سُن لی اور اب امیر حمزہ کو خبر دار کرنے آئے ہیں کہ اِن عورتوں سے بچیں۔"

یہ سُن کر عُمرو اور مُقبِل رو پڑے، کہنے لگے۔

"بھائیو، تم دیر میں پہنچے۔ اِن عورتوں نے ہمارے امیر کو شربت میں زہر ملا کر پلا دیا ہے اور اب اُن میں زندگی کے کوئی آثار دکھائی نہیں دیتے۔"

صابر اور صبُور نے امیر حمزہ کو دیکھا تو بے حد غمگین ہُوئے۔ آخر اُنہوں نے کہا۔

"یہاں سے دس دن کی راہ پر ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے جسے ناردن کہتے ہیں۔ اِس

جزیرے میں اقلیموں نام کا ایک طبیب رہتا ہے۔ اپنے وقت کا جالینوس اور افلاطون ہے۔ ہم اُس کو خط لکھ دیتے ہیں۔ اگر یہ طبیب آجائے اور امیر حمزہ کا علاج کرے تو شاید شفا ہو جائے۔"

عُمرو نے حساب لگایا۔ دس روز جانے کے، دس روز آنے کے اور چار پانچ طبیب کے چلنے کی تیّاریوں میں لگ جائیں گے۔ گویا پورے پچیس دِن لگیں گے۔ بھلا اِتنی مُدّت میں حمزہ زندہ بچیں گے؟ لیکن اِس کے بغیر اب چارہ بھی کیا ہے۔ شہ پال ہندی کے لڑکوں نے اقلیموں کے نام خط لکھ کر عُمرو کو دیا۔ عُمرو نے کہا کوئی ایسا آدمی بھی دو جو پہلے اس جزیرہ ناردن میں جا چُکا ہو۔ اُنہوں نے کہا، ہاں، ایسا آدمی ہمارے پاس موجود ہے۔ واپس جائیں گے تو اُسے بھیج دیں گے۔ اس کا نام داراب ہے۔

شہ پال ہندی کے بیٹوں نے اپنے علاقے میں واپس جاتے ہی داراب کو بھیج دیا۔ عُمرو نے اُسے دیکھا تو حیران ہُوا۔ آدمی کیا تھا نِرا بھینسا تھا۔ خُوب موٹا تازہ پکا ہُوا۔ اُدھر عُمرو اُس کے مقابلے میں دُبلا پتلا۔ داراب نے عُمرو سے کہا۔

”بھائی صاحب، جزیرہ ناردن یہاں سے بہُت دُور ہے، پیدل چلنا میرے بس میں نہیں۔ کسی سواری کا بندوبست فرمایئے۔“

”لعنت ہے تجھ پر۔“ عُمرو نے جھلّا کر دِل میں کہا۔ اب اس کے لیے سواری ڈھونڈوں۔ مُجھے اکیلا ہی جانا چاہیے۔ ہاں اُس سے طبیب اقلیموں کے مکان کا اتا پتا پُوچھ لیتا ہوں۔

اس نے باتوں باتوں میں داراب سے سب کُچھ پوچھ لیا۔ پھر کبابوں میں بے ہوشی کی دوا مِلا کر اُسے کھلائے تو وُہ بے ہوش ہو گیا۔ اب عُمرو نے اُسے ایک درخت سے باندھا اور خُود ہوا کی طرح ناردن کی جانب روانہ ہُوا۔

عُمرو شام کے وقت ایک دریا کے کنارے پہنچا، دیکھا کہ مسافروں سے بھری ہوئی ایک کشتی دریا میں چلی جا رہی ہے اور کنارے سے کوئی دس پندرہ فُٹ دُور ہٹ گئی ہے۔ عُمرو نے وہیں سے چھلانگ لگائی اور دھم سے کشتی میں آن کُودا۔ ملّاح سخت خوف زدہ ہوئے کہ یہ چھلّاوا کہاں سے آیا۔ کسی کو اُس سے کرایہ مانگنے اور کچھ پوچھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ جب دوسرا کنارہ دس پندرہ فُٹ

دور رہ گیا تو عُمرو نے پھر جست کی اور زمین پر پہنچ گیا۔

داراب نے بتایا تھا کہ دریا پار کر کے دائیں ہاتھ وُہ گاؤں مِلے گا جس میں طبیب اقلیموں رہتا ہے۔ مگر جب اس گاؤں میں پہنچا تو رات ہو چکی تھی۔ گاؤں کیا تھا، اچھا خاصا شہر تھا۔ بازاروں میں لوگوں کا ہجوم اور دُکانوں پر خریداروں کے ٹھٹ لگے تھے۔ مکانوں اور گلیوں میں اِس قدر تیز روشنی تھی کہ سُوئی گرے تو آسانی سے تلاش کر لو۔ عُمرو نے اپنی شکل تبدیل کی اور ایک راہ گیر سے پُوچھا۔

"کیوں بھائی، طبیب اقلیموں کہاں ملیں گے؟"

اس شخص نے اُوپر سے نیچے تک عُمرو کو دیکھا اور جواب دیا۔ "معلوم ہوتا ہے اجنبی ہو۔ اقلیمُوں ہی اِس بستی کا حاکم ہے۔ وُہ سامنے بڑا سا دروازہ نظر آ رہا ہے نا! جہاں بہت سے لوگ بیٹھے ہیں۔ بس وُہی اقلیمُوں کا مکان ہے۔"

عُمرو اس عالی شان مکان کے دروازے پر پہنچا تو پہرے داروں نے روکا۔ عُمرو

نے چیخ کر کہا۔ ”میں سراندیپ سے آیا ہوں۔ اقلیمُوں کے نام صابر و صبُور کا خط لایا ہُوں۔“

پہرے داروں نے اُسے فوراً اقلیمُوں کے پاس پہنچا دیا۔ عُمرو نے دیکھا کہ سُرخ رنگ کا لباس پہنے ایک ٹھگنا سا شخص لوگوں کے درمیان گِھرا بیٹھا ہے۔ کمرے میں چاروں طرف موٹی موٹی کتابوں اور دواؤں کے مرتبانوں اور شیشیوں کا انبار لگا ہے۔ اقلیمُوں نے گھُور کر عُمرو کو دیکھا اور سختی سے پُوچھا۔

”کیا بات ہے، اتنا شور کیوں مچا رکھا ہے؟“

”میں آپ کے لیے ایک ضروری خط لایا ہُوں۔“

عُمرو نے یہ کہہ کر وُہ خط اقلیمُوں کو دے دیا۔ اس نے خط کو دیکھا، ناک بھُوں چڑھائی اور کہنے لگا۔

”میں وہاں ہرگز نہیں جا سکتا۔ مریض کو یہیں لے آؤ۔“

یہ سُن کر عُمرو سخت مایوس ہُوا۔ اقلیمُوں کی بڑی منّت سماجت کی، مگر وُہ ٹس

سے مس نہ ہُوا۔ آخر عُمرو نے کہا۔

”اگر آپ میرے ساتھ چلے چلیں اور جواہرات سے بھری ہوئی ایک تھیلی پیش کروں گا۔“

یہ سُننا تھا کہ طبیب اقلیمُوں لال پیلا ہو گیا۔ اپنے نوکروں کو آواز دے کر بُلایا اور کہا۔

”اس شخص کی اچھّی طرح مرمّت کرو یہ ہمیں دولت کا لالچ دیتا ہے۔“

اقلیمُوں کے ہٹّے کٹّے نوکر عُمرو کی طرف لپکے لیکن عُمرو نے فوراً سبز کمبل اوڑھ لیا اور نظروں سے غائب ہو گیا۔ وُہ لوگ اسے سارے مکان میں ڈھونڈتے پھرے لیکن عُمرو اُنہیں دکھائی نہ دیا حالانکہ وُہ اقلیمُوں ہی کے کمرے میں دروازے کے قریب کھڑا تھا۔

رات ہوئی، سب لوگ چلے گئے اور اقلیمُوں اپنے کمرے میں اکیلا رہ گیا۔ تب عُمرو نے آگے بڑھ کر اُس کا ٹینٹوا دبایا۔ اقلیمُوں سمجھا کہ کسی جِن نے اُسے پکڑ

لیا ہے، اچانک عُمرو نے آواز دی اور کہا۔

”اب بول بڑا طبیب بنا پھرتا ہے۔ میرے ساتھ سراندیپ چلے گا یا یہیں تیرا گلا گھونٹ دُوں۔“

”چلوں گا، ضرور چلوں گا۔۔۔۔۔“ اقلیمُوں نے ہاتھ جُوڑ کر کہا۔

تب عُمرو نے اقلیمُوں کو اپنی زنبیل میں ڈالا، اُس کے کمرے کا کُل سامان، تمام کتابیں اور دوا کے مرتبان بھی زنبیل میں رکھے اور یہ پُشتارہ پیٹھ پر اُٹھا کر باہر نکلا۔ دریا پر آکر کشتی میں بیٹھا، دوسرے کنارے پر آیا اور سورج نکلنے سے پہلے پہلے اُس درخت کے پاس پہنچ گیا جہاں داراب کو باندھ گیا تھا۔ دیکھا وُہ اُسی طرح بندھا ہُوا ہے۔ اُسے ہوش میں لایا۔ داراب نے عُمرو کو دیکھتے ہی کہا۔

”تم عجیب آدمی ہو۔ ابھی تک یہیں کھڑے ہو۔ جزیرہ ناردن جانے کا ادارہ نہیں۔“

”ارے میاں، میں تو وہاں جا کر طبیب اقلیموں کو لے بھی آیا۔“ عُمرو نے جواب دیا اور زنبیل میں ہاتھ ڈال کر اقلیمُوں کو باہر نکالا۔ یہ دیکھ کر داراب کے ہوش اُڑ گئے۔ عُمرو کے قدموں پر ِگر پڑا اور التجا کی کہ آپ اُستاد میں شاگرد۔ یہ فن مُجھے بھی سکھا دیجئے۔ عُمرو نے اُسے دلاسا دیا کہ گھبراؤ نہیں، وقت آنے پر سب کچھ سیکھ جاؤ گئے۔ اب نہیں جلد سے جلد امیر حمزہ کے پاس جانا چاہیے۔

عُمرو نے داراب کر بھی زنبیل میں ڈالا اور ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے لشکر کی جانِب چلا۔

مِہر نگار کی شادی

عُمرو نے اپنے خیمے میں پہنچ کر زنبیل سے اقلیمُوں کو نکالا، پھر تمام کتابوں اور دواؤں کے مرتبان اُسی طرح سجا دیے جس طرح اقلیمُوں کے مکان میں سجے ہُوئے تھے۔ اِس کے بعد اُس نے روئی کی بتّی بنا کر اقلیمُوں کی ناک میں ڈالی۔ چند لمحے بعد وُہ چھینک مار کر اُٹھ بیٹھا۔ عُمرو اُس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہُوا اور کہنے لگا۔

”جناب اب میرے ساتھ تشریف لے چلیے۔ مریض کی حالت بہت خراب ہے۔“

اقلیمُوں نے عُمرو کی صُورت دیکھی اور غضب ناک ہو کر اپنے نوکروں کو آواز دی ”ارے کوئی ہے نکالو اِس بد معاش کو یہاں سے۔“

مگر وہاں کوئی نوکر ہوتا تو اُس کی آواز سُنتا۔

دیر تک چیخنے کے بعد اُس کو کچھ شک ہُوا اور پھر غور سے اپنے اِرد گرد دیکھا تو سمجھ گیا کہ یہ اُس کا مکان نہیں ہے، اُس نے شرمندہ ہو کر عُمرو سے کہا۔

"مجھے مریض کے پاس لے چلو۔"

عُمرو اقلیمُوں کو امیر حمزہ کے خیمے میں لے گیا۔ اُس نے جونہی امیر حمزہ کو دیکھا بے اختیار رونے لگا اور کہا۔ "اے عُمرو، حمزہ کا علاج دنیا میں کِسی کے پاس نہیں۔ ہاں، شہنشاہ نوشیرواں کے خاندان میں کئی سو برس سے ایک پتھر چلا آتا ہے۔ اُسے شاہ مُہرہ کہتے ہیں۔ اگر کسی طرح یہ پتھر مجھے لادے تو حمزہ کے اچھّا ہونے کی اُمّید ہے۔"

یہ سُن کر عُمرو سخت پریشان ہُوا۔ رُومال سے آنسو پونچھتا ہُوا باہر نکلا۔ وہاں مُقبِل وفادار کھڑا تھا۔ وُہ عُمرو سے کہنے لگا: "اقلیمُوں کیا کہتا ہے؟"

"کیا بتاؤں بھائی مُقبِل، اتنی مصیبت سے اِس طبیب کو جزیرہ ناردن سے لایا

لیکن وُہ کہتا ہے کہ جب تک مدائن سے شاہ مُہرہ نہ آئے گا، زہر نہ اُترے گا۔ اب میں مدائن کو جاتا ہُوں۔ دُعا کرو وُہ مُہرہ مِل جائے۔"

"جاؤ۔۔۔ خُدا حافظ، لیکن ٹھہرو۔ مدائن شہر کے دروازے کے پاس ایک بڑھیا رہتی ہے۔ اُسے میرا اسلام کہہ دینا۔" مُقبِل نے کہا۔

یہ سُن کر عُمرو کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ قریب آ کر تین طمانچے مُقبِل کے مُنہ پر مارے اور کہا۔ "یہاں جان پر بنی ہے اور تجھے مذاق سُوجھ رہا ہے۔"

اُس وقت مُقبِل کی بزُرجمہر کی نصیحت یاد آئی کہ جب تک عُمرو کے ہاتھ سے تین طمانچے نہ کھا لینا، اُس وقت تک اُسے شاہ مُہرہ کے بارے میں کچھ نہ بتانا۔ تین طمانچے کھا لینے کے بعد وُہ ہنسا اور کہنے لگا۔

"تو مدائن کِس لیے جاتا ہے؟ شاہ مُہرہ تو یہیں موجُود ہے۔"

"پھر تم نے مذاق کیا۔" عُمرو نے دوبارہ گھُونسا تانا۔

"میں سچ کہتا ہُوں، بزُرجمہر نے میرے سامنے امیر حمزہ کے سینے میں رکھا

تھا۔"

عُمرو نے جھٹ مُقبِل کو گلے سے لگالیا اور اقلیمُوں کے پاس پہنچا، وُہ اُسے دیکھ کر بولا۔

"تم ابھی یہیں ہو؟ میں سمجھا تھا کہ شاہ مُہرہ لینے مدائن چلے گئے ہو گئے۔"

"مُہرہ تو امیر حمزہ کے سینے میں رکھا ہے۔" عُمرو نے جواب دیا۔

اقلیمُوں نے حیرت سے عُمرو کی جانب دیکھا پھر امیر حمزہ کے جسم کا معائنہ کیا۔ دیکھا کہ سارا بدن کالا پڑ چکا ہے، لیکن سینے کا وُہ حصّہ جس میں شاہ مُہرہ چھپایا گیا تھا اپنی اصلی رنگت پر ہے۔ اقلیمُوں نے ایک خاص دوا نکال کر امیر حمزہ کے سینے پر ملی۔ پھر نشتر سے سینہ چیر کر شاہ مُہرہ نکالا، مُہرے میں سوراخ تھا۔ اقلیمُوں نے سوراخ میں ڈوراڈال کر مُہرہ امیر حمزہ کے حلق میں اُتار دیا۔ اِس کے بعد کئی من دُودھ منگا کر ایک بڑے سے کڑھاؤ میں بھر دیا اور امیر حمزہ کے حلق سے مُہرہ نکال کر اس دُودھ میں ڈالا۔ دیکھتے دیکھتے دُودھ برف کی

مانند جم گیا۔ پھر اور دُودھ منگوایا گیا۔ اقلیمُوں نے اُسی طرح مُہرہ امیر حمزہ کے حلق میں ڈال کر نِکالا اور دُودھ میں پھینکا۔ دُودھ پھر جم گیا۔ غرض سات مرتبہ ایسا ہی کیا اور دُودھ ہر مرتبہ جم گیا۔ آٹھویں مرتبہ دُودھ نہیں جما۔

تب امیر حمزہ کر چھینک آئی اور اُنہوں نے آنکھیں کھول دیں۔ اقلیمُوں نے بُہت سے لحاف اور رضائیاں اُن کے اوپر ڈال دیں تاکہ خُوب پسینہ آئے۔ چند لمحے کے بعد امیر حمزہ کے روئیں روئیں سے پسینہ پھُوٹ نکلا اور اس قدر تھا کہ تمام لحاف اور رضائیاں اس میں تر ہو گئیں۔

اب امیر حمزہ نے ایک ایک شخص کر غور سے دیکھا۔ آخر میں اقلیمُوں پر نظر پڑی۔ حیرت سے پُوچھنے لگے۔ ”یہ شخص کون ہے؟“

”اس کا نام اقلیمُوں ہے۔ جزیرہ ناردن کا مشہور طبیب ہے۔ آپ کی طبیعت کچھ خراب ہو گئی تھی۔ اس لیے علاج کے لیے آیا ہے۔“ عُمرو نے جواب دیا۔

”لِندھور کہاں ہے؟“ امیر حمزہ نے عُمرو سے کہا۔

عُمرو اُسی وقت گیا۔ زنبیل سے لِندھور کو نکال کر ہوش میں لایا اور اُسے ساری داستان کہہ سُنائی۔ آخر میں التجا کی کہ امیر حمزہ کو اس واقعے سے آگاہ نہ کیا جائے۔ لِندھور عُمرو کی اس ہوشیاری اور چالاکی پر حیران رہ گیا اور کہا۔

"آفرین ہے تمہاری اس وفاداری پر۔"

لِندھور لباس بدل کر امیر حمزہ کے پاس گیا اور باتیں کرنے لگا۔ اتنے میں شہ پال ہندی کے دونوں بیٹے آ گئے۔ عُمرو نے اُنہیں امیر حمزہ کے سامنے پیش کیا اور بتایا کہ گستہم پہلوان ایک لشکر لے کر آیا ہے اور شہ پال ہندی کے ساتھ مِل کر جنگ کی تیّاریاں کر رہا ہے۔ یہ سُنتے ہی لِندھور کو جلال آ گیا۔ بادل کی طرح گرج کر اُٹھا اور کہنے لگا۔

"میں ابھی جا کر ان دونوں نابکاروں کو گُرز سے ہلاک کرتا ہوں۔"

امیر حمزہ نے اُسے روکنے کی بڑی کوشش کی لیکن لِندھور کسی طرح نہ مانا۔ شہ پال ہندی کے بیٹے صابر اور صبُور بھی اُس کے ساتھ تھے۔ امیر حمزہ نے عُمرو اور مُقبِل وفادار کو بھی اُن کے ساتھ جانے کا حکم دِیا۔

لِند ھور اپنی زبردست فوج لے کر اُس قلعے کی طرف چلا جس میں شہ پال اور گستم پہلوان موجود تھے۔ اُنھوں نے جب لِند ھور کو آتے دیکھا تو اپنی فوج لے کر لڑنے کے لیے نکلے۔ بڑی زبردست جنگ ہوئی جس میں شہ پال لِند ھور کے ہاتھوں مارا گیا۔ اتنے میں عُمرو نے گستم پہلوان کو للکار کر کہا۔

"اگر کچھ دن اور جینا چاہتا ہے تو یہاں سے بھاگ جا ورنہ لِند ھور تجھے جیتا نہ چھوڑے گا۔"

گستم نے قہقہہ لگا کر جواب دیا۔

"یہ ڈراوا کسی اور کو دینا۔ میں نے حمزہ کو زہر دے کر مروا دیا ہے۔ لِند ھور کی میرے سامنے کیا حقیقت ہے۔"

اب عُمرو نے قہقہہ لگایا اور کہا۔ "حمزہ کو کون مار سکتا ہے۔ اُس پر تجھ جیسے ہزار آدمی قُربان۔"

یہ سُن کر گستم کے پسینے چھوٹ گئے لیکن دِل سنبھال کر بولا۔ "مُجھے تیری

بات پر یقین نہیں آتا۔ بُہت دِن ہُوئے میرے اور حمزہ کے درمیان راز کی ایک بات ہوئی تھی جس کی ہم دونوں کے سوا کسی اور کو خبر نہیں ہے، اگر حمزہ زندہ سلامت ہے تو اُس سے جا کر پوچھ کہ وُہ راز کیا ہے؟ اگر تو نے بتا دیا تو میں سمجھوں گا کہ واقعی حمزہ زندہ ہے۔"

عُمرو اُسی وقت حمزہ کے پاس پہنچا اور ناراض ہو کر کہنے لگا۔

"کیوں جناب، یہ کیا ماجرا ہے؟ ہم آپ کے دوست ہیں یا گستم پہلوان؟ آخر ایسا کون سا راز ہے جو آپ نے اب تک ہم سے چھپائے رکھا ہے۔"

عُمرو کی یہ بات سُن کر امیر حمزہ خُوب ہنسے پھر بولے۔

"وُہ بات یہ ہے کہ جب گستم پہلوان عیّاری سے کام لے کر چین کے بادشاہ بہرام کو گرفتار کر کے نوشیرواں کے پاس لایا تھا تو اُس کے استقبال کو میں بھی گیا تھا۔ اُدھر بختک نے میرے خلاف گستم کے کان پہلے ہی بھر دِیے تھے۔ گستم نے مُجھ سے گلے مِلتے ہُوئے خُوب زور لگایا کہ میری پسلیاں توڑ دے مگر

کام یاب نہ ہُوا۔ آخر میں نے اُسے لِپٹا کر زور لگایا تو اُس کی چیخ نکل گئی۔ تب اُس نے مُجھ سے کہا کہ اِس کا ذکر کِسی سے نہ کرنا ورنہ میری بدنامی ہو گی۔ یہی ہے وُہ راز جو میرے اور گستہم کے درمیان چلا آتا ہے۔"

عُمرو نے جب گستہم کو یہ بات بتائی تو خوف سے اُس کے ہاتھ پیر پھُول گئے۔ وُہ اپنے لاؤ لشکر کو لے کر میدان سے نو دو گیارہ ہو گیا اور سیدھا سِندھ کے صحرا میں جا کر دم لیا۔

امیر حمزہ نے اب مدائن جانے کا ارادہ کیا۔ لِندھور بھی اُن کے ساتھ جانے کے لیے تیّار ہُوا۔ اُس نے اپنے چھوٹے بھائی چینی پُور کو سلطنت کی باگ ڈور سونپی۔ امیر حمزہ نے شہ پال ہندی کے بیٹوں صابر اور صبُور کو اُن کے باپ کی گدّی پر بٹھایا۔ طبیب اقلیمُوں کو امیر حمزہ سے کچھ ایسی محبّت ہُوئی کہ اُس نے اپنے وطن جزیرہ ناردن جانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں ہمیشہ امیر حمزہ کے ساتھ رہُوں گا۔ آخر ایک روز یہ عظیم الشّان قافلہ خُشکی کے راستے ایران روانہ ہو گیا۔

گستم پہلوان دُم دبا کر بھاگ تو گیا لیکن حسد کی آگ ابھی تک اُس کے دِل میں جل رہی تھی۔ وُہ امیر حمزہ کو کسی صورت نیچا دِکھانے کے لیے بے چین تھا۔ آخر سوچ سوچ کر ایک تدبیر پر عمل کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کے لشکر میں دو آدمی ایسے تھے جِن کی شکلیں اور حُلیے امیر حمزہ اور لِندھور سے مِلتے جُلتے تھے۔ گستم نے اُن دونوں کو ہلاک کر کے اُن کے سر کاٹ لیے پھر نوشیرواں کے نام ایک خط لکھ کر یہ دونوں سر مدائن بھجوا دیے۔ خط میں اُس نے لکھا۔

”جہاں پناہ، امیر حمزہ کو لِندھور نے میدانِ جنگ میں مار ڈالا اور اُس کا سر کاٹ کر اپنے قلعے کے دروازے پر لٹکا دیا۔ میں نے لِندھور پر حملہ کیا۔ نہایت خُون ریز لڑائی ہوئی جس میں لِندھور کی فرج کے بے شمار سپاہی مارے گئے۔ آخر تین دِن کی جنگ کے بعد میں نے لِندھور کو مار ڈالا اور اُس کا سر کاٹ کیا۔ اب یہ دونوں سر حضور کی خدمت میں بھیج رہا ہُوں۔“

گستم نے یہ خط نوشیرواں کو بھیجا اور دوسرا خط بختک کے نام لکھا کہ میں نے نوشیرواں کے پاس امیر حمزہ اور لِندھور کے کٹے ہُوئے کو سر بھیجے ہیں، وُہ نقلی

ہیں۔ سچ بات یہ ہے کہ امیر حمزہ نے لِندھور کو دوست بنا لِیا ہے اور لِندھور اب دِن رات امیر حمزہ ہی کا کلمہ پڑھتا ہے۔ تُم نوشیر واں کو سکھا پڑھا کر مجبور کرو کہ وُہ شہزادی مِہر نگاہ کی شادی کسی اور سے کر دے۔ یقین ہے کہ امیر حمزہ جب یہ خبر سُنے گا کہ شہزادی کی شادی کِسی اور سے ہو گئی ہے تو وُہ اِسی غم میں اپنے آپ کو ہلاک کر لے گا۔

گستم کا قاصد جب دونوں سر اور خط لے کر نوشیر واں کی خدمت میں پہنچا تو لِندھور کا سر دیکھ کر بادشاہ خُوش ہُوا اور امیر حمزہ کا سر دیکھ کر غمگین۔ اُس کی خواہش یہ نہ تھی کہ امیر حمزہ یوں مارے جائیں۔

نوشیر واں نے اُسی وقت بزُرجمہر کو بُلا کر یہ دونوں سر اور گستم کا خط دِکھایا۔ بزُرجمہر بڑا عقل مند آدمی تھا۔ ایک نظر اُن سروں کو دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ گستم نے نوشیر واں کو دھوکا دیا ہے لیکن اُس نے نوشیر واں سے کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔

اُدھر دوسرا قاصد جب گستم کا خط لے کر بختک کے پاس پہنچا تو وُہ بہُت خُوش

ہُوا۔ امیر حمزہ کو شکست دینے کی ایسی تدبیر تو اُس کے دماغ میں بھی نہ آئی تھی۔ اگلے ہی روز نوشیرواں کو تنہا پا کر کہنے لگا۔

"جہاں پناہ، یہ اچھّا ہُوا کہ امیر حمزہ ہندوستان میں مارا گیا۔ مِہر نگار سے اُس کی شادی کِسی طرح بھی مناسب نہ تھی۔ ہماری قوم اُسے کبھی پسند نہ کرتی۔ اب آپ نے مِہر نگار کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"ہم چاہتے ہیں کہ جلد سے جلد شہزادی کی شادی کِسی عالیٰ خاندانی شہزادے سے کر دی جائے۔" نوشیرواں نے جواب دیا۔

"حضور کا یہ ارادہ بڑا مبارک ہے۔" بختک نے کہا۔ "اس وقت شہنشاہ کیکاؤس کی نسل میں ایک شہزادہ ہے جو مِہر نگار کا دولہا بن سکتا ہے۔ اُس کا نام اولاد ہے اور وُہ شاہ مرزبان کا بیٹا ہے۔"

یہ سُن کر نوشیرواں خوش ہُوا۔ کیکاؤس ایران کا ایک عظیم بادشاہ گُزرا ہے۔ اُس کی نسل کے کسی شہزادے سے شادی مِہر نگار کی شادی ہونا بہت ہی اچھی

بات تھی۔ نوشیر واں نے بختک کو اجازت دے دی کہ شہزادہ اولاد کو مدائن بلایا جائے تاکہ شہزادی مِہر نگار کی شادی اُس سے کر دی جائے۔ بختک اپنی اِس تجویز کی کامیابی پر پھولا نہ سمایا۔ اُسی وقت شہزادہ اولاد کو خط لکھا کہ فوراً مدائن پہنچو۔ میں نے نوشیر واں کو اس بات پر راضی کر لیا ہے کہ تمہاری شادی مِہر نگار سے کر دی جائے۔

شہزادہ اولاد کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ایسی بات ہو سکتی ہے کیوں کہ اُس کے خاندان میں اب بادشاہت باقی نہ رہی تھی اور وُہ مدائن سے بہت دُور ایک غیر آباد صوبے میں پڑا ہُوا تھا۔ وُہ بختک کا خط ملتے ہی اپنے چند دوستوں کو لے کر مدائن آ پہنچا۔ نوشیر واں نے اُس کی بڑی آؤ بھگت کی اور اپنے محل میں ٹھہرایا۔ اگلے روز اس نے عام اعلان کرا رہا کر امیر حمزہ ہندوستان میں لِندھور کے ہاتھ سے مارے گئے ہیں اِس لیے اب مِہر نگاہ کی شادی شہزادہ اولاد مرزبان سے ہو گی۔

مدائن کے لوگوں نے جب یہ اعلان سُنا تو اُن کے رنج اور غصّے کی انتہا نہ رہی۔

امیر حمزہ کے اچھے اخلاق اور بہادری نے مدائن والوں کے دِل جیت لیے تھے۔ اُن کے مارے جانے کی خبر سُنتے ہی لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے اور سروں پر خاک ڈالنے لگے۔ اُدھر یہ خبر شہزادی مِہر نگار کے محل میں بھی پہنچی۔ شہزادی نے رو رو کر اپنا بُرا حال کر دیا۔ کنیزوں اور لونڈیوں نے اِس بات کی اطلاع ملکہ مِہر انگیز کو دی۔ ملکہ نے خواجہ بزُرجمہر کو بُلایا اور اُن سے سب حال کہا۔ وہ کہنے لگے۔

"اچھا، میں خود شہزادی کے پاس جاکر اسے سمجھاتا ہُوں؟"

خواجہ بزُرجمہر جب شہزادی کے پاس گئے تو دیکھا کہ صدمے سے اُس کا بُرا حال ہے۔ بزُرجمہر نے شہزادی کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور چُپکے چُپکے اُس کو اصل قصّہ سُنایا اور کہا کہ فکر نہ کرو۔ یہ سب دُشمنوں کی شرارت ہے۔ امیر حمزہ کو گُستم پہلوان نے مکّاری سے زہر دیا تھا لیکن وُہ شاہ مُہرہ کی وجہ سے محفوظ ہے۔ خُدا نے چاہا تو آج سے چالیس دِن بعد وُہ مدائن واپس آ جائیں گے۔ اب تُم رونا دھونا ختم کر کے بادشاہ سے کہو کے چالیس دِن ٹھہر جائیں،

اس کے بعد آپ کو اِختیار ہے، جس سے چاہیں میری شادی کر دیں۔

شہزادی نے فوراً ہی نوشیرواں کے پاس پیغام بھیجا کہ مُجھے شہزادہ اولاد مرزبان سے شادی کرنے میں کوئی اعتراض نہیں لیکن چالیس دن کے بعد یہ شادی ہو تو مناسب ہے۔ نوشیرواں نے شہزادی کی یہ بات منظور کر لی۔

بختک کو جب یہ خبر ملی تو اُس نے دِل میں کہا غضب ہو گیا۔ یہ شادی چالیس دِن پر ٹل گئی۔ اگر اِس دوران میں امیر حمزہ مدائن آ پہنچے تو میرے حق میں بہت بُرا ہو گا۔ کوئی تدبیر ایسی کرنی چاہیے کہ شادی تو بے شک چالیس دِن بعد ہو مگر شہزادہ اولاد مرزبان کِسی طرح شہزادی مِہر نگار کو مدائن سے اپنے ساتھ فوراً لے جائے۔

بختک بُہت دیر تک دماغ لڑاتا رہا۔ آخر ایک تدبیر ذہن میں آئی۔ اولاد مرزبان کو اپنے پاس بُلایا اور کہا۔

"شہزادے، ایک راز کی بات تُم سے کہتا ہُوں، اِسے غور سے سُنو۔ امیر حمزہ

کے مارے جانے کی خبر خُود ہم نے اُڑائی ہے۔ حقیقت میں وُہ زندہ سلامت ہے، ہم ہرگز نہیں چاہتے کہ اُس کی شادی شہزادی مِہر نگار سے ہو کیوں کہ وُہ غیر قوم کا آدمی ہے اور ہمارے برابر کا نہیں ہے۔ تُم ہر طرح شہزادی کے لائق ہو۔ مگر اب اس بُڈھے بزُرجمہر نے شہزادی کو سِکھا پڑھا کر چالیس دِن کی مہلت لے لی ہے۔ بزُرجمہر جانتا ہے کہ امیر حمزہ زندہ ہے اور اسے یقین ہے کہ چالیس دِن کے اندر اندر امیر حمزہ مدائن پہنچ جائے گا۔ اور بادشاہ کو اپنے وعدے کے مطابق شہزادی کی شادی اُس کے ساتھ کرنی پڑے گی۔"

یہ سُن کر شہزادہ اولاد مرزبان نے تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھا اور آنکھیں لال پیلی کر کے کہنے لگا "امیر حمزہ کی کیا مجال کہ شہزادی سے شادی کر سکے۔ میں اُس کی گردن اُڑادُوں گا۔"

بختک نے قہقہہ لگایا اور کہا: "شہزادے، ابھی تم نے امیر حمزہ کو دیکھا نہیں ہے، تبھی یہ بات مُنہ سے نکالنے کا حوصلہ ہُوا ہے۔ سچ پُوچھو تو میں بھی امیر حمزہ کی شجاعت اور بہادری کا لوہا مانتا ہوں۔ اُس سے مقابلے کا خیال بھی دِل

میں نہ لانا، ورنہ تمہاری خیر نہیں۔ وُہ تم سے ایک ہزار آدمیوں پر اکیلا ہی حاوی ہے۔ لڑائی بھڑائی سے اُس پر قابو پانا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ ہاں، چالاکی اور عیّاری سے کام لے کر اُسے زِک پہنچائی جاسکتی ہے۔"

بختک کی زبان سے امیر حمزہ کی خُوبیاں سُن کر شہزادہ اولاد مرزبان کا کلیجہ بیٹھ گیا اور تلوار کے دستے پر رکھا ہُوا ہاتھ خُود بخُود ہٹ گیا۔ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہنے لگا۔

"پھر آپ جلد مُجھے کوئی تدبیر ایسی بتایئے کہ میں شہزادی مِہر نگار سے شادی کروں اور امیر حمزہ سے مقابلہ کرنے کی نوبت نہ آئے۔"

"ہاں، اب تُم نے عقل سے کام لیا ہے۔" بختک نے مُسکرا کر کہا۔ "تم سیدھے نوشیرواں کی خدمت میں جاؤ اور عرض کرو کہ حضور مجھے خدشہ سے کہ امیر حمزہ کے حمایتی شہزادی مِہر نگار کی جان لینا چاہتے ہیں۔ اگر وُہ زیادہ دیر مدائن میں رہی تو دشمنوں کے ہاتھوں اُسے نقصان پہنچے گا، اِس لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ اسے فوراً میرے ساتھ رخصت کر دیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ

چالیس دِن سے پہلے شہزادی سے شادی نہیں کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ بادشاہ تمہاری یہ درخواست قبُول کرلے گا۔“

غرض بختک نے شہزادہ اولاد مرزبان کو اچھّی طرح پٹّی پڑھا کر نوشیرواں کے پاس بھیجا اور اُس نے ایسی عاجزی اور مسکینی سے اپنی درخواست پیش کی کہ بادشاہ انکار نہ کرسکا۔ اُسی وقت حکم دیا کہ شہزادی مِہرنگار کے جہیز کا سامان تیّار کیا جائے۔ فوج کے بارہ ہزار جوان شہزادی کی حفاظت کے لیے ساتھ رکھےّ گئے اور اُنہیں خُوب سمجھا دیا گیا کہ چالیس دِن تک شہزادہ اولاد مرزبان کو شہزادی مِہرنگار کی صُورت نہ دیکھنے دیں اور کوئی شخص شہزادی کی اجازت کے بغیر اُس کے خیمے میں داخل نہ ہو۔ چالیں دِن گُزرنے کے بعد شہزادہ اولاد کو اختیار ہوگا کہ وُہ شہزادی سے شادی کرلے۔

بادشاہ کے حکم کی دیر تھی، شہزادی مِہرنگار کی رُخصتی ہوگئی اور ایک عظیم لاؤ لشکر کے ساتھ شہزادہ اولاد مرزبان اپنے شہر کی جانب روانہ ہُوا۔ شہزادی کی حفاظت کے لیے بارہ ہزار فوجی سپاہی چوبیس گھنٹے ڈیوٹی پر حاضر رہتے تھے اور

کسی پرندے تک کی مجال نہ تھی کہ شہزادی کے خیمے کے قریب پَر بھی مار جاتا۔

اُدھر شہزادی ایک ایک دِن گِنتی جاتی تھی۔ آخر اُنتالیس دِن گُزر گئے اور چالیسواں دن آیا۔ شہزادہ اولاد کا لشکر ایک خوش نُما پہاڑ کے دامن میں اُترا اور خیمے لگائے جانے لگے۔ شہزادے نے اُدھر اپنی شادی کی خُوشی میں ناچ رنگ کی محفلیں سجائیں اور اِدھر شہزادی دِل میں کہتی تھی کہ آج چالیسواں دِن ہے اور بزُرجمہر نے کہا تھا کہ چالیس دِن کے اندر اندر امیر حمزہ آ جائیں گے مگر افسوس کہ ایسا نہ ہُوا۔ خیر کُچھ ہو۔ میں شہزادہ اولاد سے ہرگز شادی نہ کروں گی۔

عیّار نجومی

خُدا کی قدرت دیکھیے کہ جِس روز اولاد مرزبان کا لشکر پہاڑ کے دامن میں اُترا، عین اُسی روز امیر حمزہ اور لِندھور کا لشکر اِسی پہاڑ کی دوسری جانب آیا۔ یہ ایسی حَسین اور سرسبز وادی تھی کہ امیر حمزہ یہاں چند روز ٹھہرنا چاہتے تھے۔ اُنہوں نے عادی پہلوان کو حکم دیا کہ پڑاؤ کیا جائے۔ دریا کے کنارے امیر حمزہ نے اپنا خیمہ لگوایا اور اِدھر اُدھر گھُوم پھر کر قُدرت کے نظاروں کا تماشا کرنے لگے۔

طبیب اقلیمُوں نے عُمرو کو دیکھا کہ بے کار بیٹھا مکھّیاں مارتا ہے، وُہ اُس کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

”اس جنگل میں ایک ہرن ایسا مِلتا ہے جِس کا گوشت زہر کا اثر دُور کرنے میں

اکسیر ہے۔ اِس ہرن کا رنگ سنہری ہے اور وُہ اتنا تیز رفتار ہے کہ کِسی کے ہاتھ نہیں آتا۔ تُم جاؤ اور اس ہرن کو پکڑ کر لاؤ تاکہ میں اُس کے کباب بنا کر امیر حمزہ کو کِھلاؤں۔"

عُمرو نے گھور کر اقلیمُوں کو دیکھا اور ناراض ہو کر بولا۔

"تمہیں مُجھ سے خُدا واسطے کا بیر ہے۔ کوئی نہ کوئی کام بتاتے ہی رہتے ہو۔ امیر حمزہ کا خیال نہ ہوتا تو تمہیں اسی وقت اپنی زنبیل میں بند کر کے وہیں جزیرہ ناردن پر جا کر چھوُڑ آتا۔۔۔۔"

یہ کہہ کر اُٹھا اور سنہری ہرن کی تلاش میں جنگل کی جانب روانہ ہُوا۔ کچھ فاصلے پر دیکھا کہ چار ہرن گھاس میں ٹہل رہے ہیں اور اُن میں ایک کا رنگ سنہری اور سُورج کی دھوپ میں سونے کے پانی کی طرح چمکتا ہے۔ عُمرو اُن کی طرف بڑھا تو ہرن چوکڑیاں پھرتے ہُوئے بھاگے۔ ایک مغرب کی طرف، دوسرا مشرق کو، تیسرا شمال اور چوتھا جس کا رنگ سنہری تھا، جنوب کی طرف بھاگ اُٹھا۔ عُمرو نے بھی چوکڑیاں بھریں اور اُس ہرن کے پیچھے دوڑا۔ آخر

اُسے پہاڑ کے دوسری جانب جا کر پکڑ لیا اور کندھے پر ڈال کر لے چلا۔ یکایک عُمرو کی نظر اُن ہزاروں خیموں پر پڑی جو پہاڑ کے دامن میں دُور تک پھیلے ہوئے تھے۔ حیران ہو کت کہنے لگا، ایسا معلوم ہوتا ہے کوئی لشکر آن کر ٹھہرا ہے۔ ذرا معلوم تو کروں کہ یہ کون لوگ ہیں اور کہاں سے آئے ہیں۔

اُس نے سنہری ہرن کو ایک غار میں بند کر اُس کے مُنہ پر پتھر رکھا اور خُود پہاڑ کی چوٹی سے نیچے اُترا۔ ایک چھوٹے سے تالاب کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ دو آدمی فوجی وردی پہنے کھڑے ہیں۔ ایک کے ہاتھ میں سونے کا اور دوسرے کے ہاتھ میں چاندی کا پیالہ ہے۔ عُمرو نے بڑے ادب سے اُنہیں سلام کیا اور کہا۔

”جناب، آپ کون لوگ ہیں اور کہاں سے تشریف لائے ہیں؟“

اُن میں سے ایک نے عُمرو کو اُوپر سے نیچے تک غور سے دیکھا۔ پھر جواب میں کہا۔ ”ہم شہنشاہ نوشیرواں کی بیٹی شہزادی مِہر نگار کے غلام ہیں۔“ یہ کہہ کر اُس نے امیر حمزہ کے ہندوستان جانے، لِندھور کے ہاتھوں مارے جانے اور

شہزادی مِہر نگار کی شادی کا سارا واقعہ اُسے سُنایا۔ آخر میں کہنے لگا کہ آج چالیسواں دِن ہے، کل مرزبان شہزادی سے شادی کرے گا۔

عُمرو یہ داستان سُن کر بدحواس ہو گیا۔ مگر خواجہ بزُرجمہر کی دانائی اور دُور اندیشی پر دِل میں آفرین کہی۔ اب اُنہوں نے عُمرو سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ عُمرو نے جواب دیا۔

"صاحب، میری کیا پوچھتے ہو۔ نہایت مُفلس اور غریب آدمی ہوں، ایک ہاتھ سے لُولا اور ایک پاؤں سے لنگڑا ہُوں۔ ہزاروں علاج کیے مگر کسی دوا سے فائدہ نہ ہُوا۔ آخر ایک تجربہ کار طبیب نے یہ نُسخہ بتایا ہے کہ اگر چاندی کے برتن میں پانی پیؤں تو ہاتھ اچھّا ہو اور سونے کے برتن میں پیؤں تو پاؤں ٹھیک۔ بھلا مُجھ غریب کو سونے چاندی کے برتنوں میں پانی کون پلاتا۔ خُدا کی قُدرت ہے کہ اِس وقت آپ سے ملاقات ہُوئی۔ مہربانی کرو اور مجھے اِن برتنوں میں پانی پینے کی اجازت دو، شاید میں اچھّا ہو جاؤں۔"

عُمرو نے اِس عاجزی سے گفتگو کی کہ اُن لوگوں کا دل پسیج گیا۔ پہلے شخص نے

چاندی کا پیالہ عُمرو کو دیا۔ اُس نے چشمے میں سے پانی بھر کر پیا اور فوراً اپنا بایاں ہاتھ ہلا کر خُوشی سے بولا۔

"میرا ہاتھ ٹھیک ہو گیا۔ اب جلدی سے سونے کا پیالہ بھی مجھے دو کہ اس میں اِس میں پانی پیؤں۔"

دوسرے نے سونے کا پیالہ بھی عُمرو کو تھما دیا۔ اُس نے اِس میں بھی پانی بھر کر پیا اور اپنی ایک ٹانگ کو حرکت دی۔ "آہا۔۔۔۔۔ یہ بھی ٹھیک ہو گئی۔"

"لاؤ، میاں ہمارے پیالے ہمیں دو۔ تُم ٹھیک ہو گئے۔" اُنہوں نے کہا۔ یہ سُن کر عُمرو نے چھلانگ لگائی اور دُور جا کھڑا ہُوا۔ وُہ حیران ہُوئے کہ عجیب مسخرا ہے۔ عُمرو نے کہا۔

"میں اتنا بے وقوف نہیں ہُوں کہ یہ پیالے تمہیں واپس دے دوں۔ فرض کرو میرے ہاتھ پیر پھر بِگڑ گئے تو میں سونے چاندی کے برتن کِس سے مانگتا پھروں گا۔"

وُہ دونوں بُرا بھلا کہتے ہوئے عُمرو کے پیچھے لپکے۔ مگر عُمرو اُن کے ہاتھ کہاں آتا تھا۔ دیر تک اُنہیں دوڑاتا رہا۔ آخر ہانپ ہانپ کر دونوں بے دم ہو گئے اور عُمرو اُن کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ یہ دونوں آپس میں لڑتے جھگڑتے اور ایک دوسرے کو الزام دیتے اپنے لشکر میں واپس پُہنچے۔ ایک جگہ کیا دیکھتے ہیں کہ زمین پر کپڑا بچھائے اور چند کتابیں اپنے آگے دھرے ایک نجومی بیٹھا ہے۔ بُہت سے لوگ اُسے گھیرے ہوئے ہیں۔ نجومی ہر سوال کا جواب دیتا ہے اور ٹھیک ٹھیک باتیں بتاتا ہے۔ یہ دونوں بھی اُس کے پاس پُہنچے۔ نجومی نے اُن سے سونے کی پانچ اشرفیاں لیں اور کہا "فرمائیے جناب کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟"

"نجومی تُم ہو کہ ہم۔" اُنہوں نے ناراض ہو کر کہا۔ "تُم خُود بُوجھو کہ ہم کِس لیے آئے ہیں؟"

نجومی نے کُچھ حساب لگایا، پھر کہا۔ "آپ کی کوئی چیز کھوئی گئی ہے۔ شاید برتن ہیں۔ ایک چاندی کا، دوسرا سونے کا۔" وُہ دونوں حیرت سے ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ پھر بولے۔ "ارے نجومی، آفرین ہے تیرے کمال پر، اچھّا، یہ بتاؤ

کہ ہمارے وہ برتن ہمیں واپس مِل جائیں گے؟"

نجومی نے پھر حساب لگایا اور بولا۔ "میرا حساب کہتا ہے کہ ضرور مِل جائیں گے۔"

یہ سُن کر سپاہی بہُت خوش ہُوئے اور سِیدھے شہزادی مِہر نگار کے خیمے پر پہنچے۔ پہرے داروں سے کہا کہ ہمیں شہزادی سے کچھ کہنا ہے۔ شہزادی نے اُنہیں بُلا لیا۔ وُہ سمجھی شاید امیر حمزہ کے بارے میں کوئی خبر لے کر آئے ہیں۔ لیکن اُنہوں نے نجومی کا ذکر کیا کہ بڑا باکمال شخص ہے۔ مُمکن ہے وُہ امیر حمزہ کے بارے میں کچھ بتا سکے۔

شہزادی مِہر نگار نے اُنہیں تو رُخصت کیا اور خُود اس سوچ میں پڑ گئی کہ وُہ نجومی کون ہے۔ یکایک خیال آیا کہ وُہ عُمرو عیّار ہو گا اور اُسی نے اِن بیچاروں کے برتن بھی ہتھیائے ہیں۔ یہ سوچ کر اُس نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ نہ فوراً جاؤ اور اُس نجومی کو ہمارے پاس لے آؤ۔ حکم کی دیر تھی، نجومی حاضر ہو گیا۔

شہزادی مہر نگاہ نے پردے کے پیچھے سے دیکھا کہ ایک شخص جس کی ڈاڑھی مُونچھیں سفید ہیں۔ لمبا سا چُغہ پہنے اور چند کتابیں بغل میں دبائے کھڑا ہے، وُہ بھی علمِ نجوم میں خواجہ بزُرجمہر کی شاگرد تھی۔ اُسی وقت حساب لگایا تو معلوم ہُوا کہ یہ نجومی عُمرو عیّار کے سوا اور کوئی نہیں، شہزادی نے اُسے خیمے میں بُلا لیا اور ہاتھ بڑھا کر اُس کی داڑھی کو ایسا جھٹکا دیا کہ وُہ اُکھڑ کر ہاتھ میں آ گئی۔ اُس کے بعد شہزادی نے نجومی کی نقلی مونچھیں بھی اُکھاڑ ڈالیں۔ اب جو دیکھا تو عُمرو کھڑا مُسکرا رہا تھا۔ اُس نے فوراً شہزادی کے پاؤں پر بوسہ دیا اور کہا۔

"معاف کیجئے شہزادی صاحبہ، آپ تک پہنچنے کے لیے مجھے یہ بھیس بدلنا پڑا۔"

"میں پہلے ہی سمجھ گئی تھی کہ تمہارے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔" شہزادی نے ہنس کر کہا۔ "اچھا، یہ تو بتاؤ کہ امیر حمزہ کہاں ہیں؟"

"پہاڑ کی دوسری طرف اُترے ہیں۔ لندھور بھی اُن کے ساتھ ہی آیا ہے۔" عُمرو نے جواب دیا۔ ابھی اتنی ہی باتیں ہوتی تھیں کہ یکایک خیمے کے باہر گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سُنائی دی۔ عُمرو نے جلدی سے نقلی داڑھی مُونچھیں

چہرے پر لگا لیں۔ پھر اپنی زنبیل سے سونے چاندی کے پیالے نکال کر شہزادی کو دے دیئے اور کہا۔

"یہ پیالے آپ کے غلاموں کے ہیں۔ اُنہیں دے دیجیئے۔"

اِتنے میں ایک غلام خیمے میں داخل ہُوا۔ جھک کر شہزادی کو سلام کیا اور بولا۔

"حضور، اِس نجومی کو شہزادہ مرزبان نے طلب کیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ تُم جا کر شہزادے سے کہو کہ نجومی تھوڑی دیر بعد اُن کے پاس آتا ہے۔" شہزادی نے غلام سے کہا اور وُہ سلام کر کے اُلٹے قدموں لوٹ گیا۔

"عُمرو، ذرا ہوشیار رہنا۔ ہم نے سُنا ہے کہ یہ شخص جس کا نام شہزادہ اولاد مرزبان ہے بہت مکّار ہے۔ کہیں تمہیں نقصان نہ پہنچائے۔"

"آپ فکر نہ کیجیئے۔ دیکھئے میں اُس کا کیا حشر کرتا ہُوں۔" عُمرو نے کہا اور خیمے

سے باہر نِکل گیا۔

اولاد مرزبان کے آدمیوں نے عُمرو کو گھوڑے پر سوار کرایا اور شہزادے کے پاس لے گئے۔ وُہ ایک بڑے سے خیمے میں بڑی شان و شوکت سے بیٹھا تھا۔ عُمرو نے جھک کر سلام کیا اور کہا۔

"جہان پناہ کا اقبال بلند ہو۔۔۔اِس خادم کو کیوں یاد فرمایا ہے؟"

"اے نجومی، ہم نے تمہاری بہت تعریف سُنی ہے۔ یہ تو بتاؤ کہ شہزادی مہر نگار نے تُم سے کیا پُوچھا؟"

"جہاں پناہ، اُنہوں نے مُجھ سے ایک شخص کے بارے میں پُوچھا تھا کہ وُہ زندہ ہے یا مر گیا۔ میں نے حساب لگایا تو پتا چلا کہ وہ زِندہ ہے مگر یہ بات میں نے شہزادی سے نہ کہی۔ اُن سے کہہ دیا کہ وُہ شخص مر چکا ہے۔"

"خُوب۔ تُم نے ٹھیک کہا۔ اور کیا باتیں ہوئیں۔"

"حضور، میں نے شادی صاحبہ سے کہا ہے کہ شہزادہ اولاد مرزبان سے فوراً

شادی کر لو۔ کیونکہ یہی تمہاری قسمت میں لکھا ہے جِسے بدلنا کسی کے اِختیار میں نہیں ہے۔ میں نے اُنہیں ایسا سمجھایا کہ اب شہزادی صاحبہ آپ سے شادی کرنے کے لیے بالکل تیّار ہیں۔"

یہ سُن کر شہزادہ مرزبان کی خُوشی کی حد نہ رہی۔ غلاموں کو حکم دیا کہ نجومی کا مُنہ موتیوں سے بھر دیا جائے۔ عُمرو نے شہزادے سے کہا۔

"حضور، اِس خادم کے چار بیٹے ہیں اور چاروں اپنے اپنے فن میں طاق ہیں۔ ایک بیٹا فولادی گُرز گھُمانے میں ماہر ہے۔ دُوسرا بیٹا پٹے بازی جانتا ہے۔ تیسرا ڈھول بجانے میں اُستاد ہے اور چوتھا نفیری ایسی بجاتا ہے کہ اِنسان تو اِنسان جانور تک جھُومنے لگتے ہیں۔ اِجازت ہو تو کل آپ کی شادی کے مُبارک موقع پر حاضر ہو کر اپنا اپنا کمال دکھائیں۔"

"اجازت ہے۔" اولاد مرزبان نے کہا۔

عُمرو اُسے دعائیں دیتا ہُوا خیمے سے باہر نِکلا اور پہاڑ کی طرف چلا۔ غار میں

سنہری ہرن بند تھا۔ وہاں سے ہرن کو پکڑ کر اپنے لشکر میں آیا۔ ہرن کو اقلیمُوں کے حوالے کیا۔ پھر سیدھا مُقبِل وفادار کے پاس پُہنچا اور اُس سے کہا ”عادی پہلوان سے کہو کہ فوراً لِندھور کے خیمے میں پُہنچے۔ میں بھی وہیں جا رہا ہُوں۔ تُم بھی عادی کو لے کر وہاں آؤ۔ ایک ضُروری مشورہ کرنا ہے۔“

عُمرو جب لِندھور کے پاس گیا تو وُہ کھانا کھا رہا تھا۔ عُمرو کو آتے دیکھا تو خُوش ہو کر بولا ”خُوب آئے۔ میں تمھیں بلوانے ہی والا تھا۔ تمہارا گانا سُنے بُہت دِن ہو گئے ہیں۔ آج سُنے بغیر نہ جانے دوں گا۔“

”جناب، آپ کو گانے کی سُوجھی ہے اور یہاں امیر حمزہ کی جان خطرے میں پڑی ہے۔“ عُمرو نے مُنہ بنا کر کہا۔

یہ سُنتے ہی لِندھور کھانا پینا بھُول گیا اور حیرت سے کہنے لگا۔

”کیا کہتے ہو؟ امیر حمزہ کی جان کو کِس سے خطرہ ہے؟ فوراً مُجھے بتاؤ تا کہ ابھی جا کر اُس کو تہس نہس کروں۔“

تب عُمرو نے شہزادی مِہر نگار اور شہزادہ اولاد مرزبان کی شادی کا سارا قِصّہ لِندھور کو کہہ سُنایا۔

اب تو لِندھور میں صبر کی تاب نہ رہی۔ اپنا فولادی گُرز اُٹھا کر لڑنے مرنے کے لئے تیّار ہو گیا مگر عُمرو نے سمجھایا کہ اس وقت جانا ٹھیک نہیں ہے۔ کل صُبح چلیں گے۔ اتنے میں عادی پہلوان اور مُقبِل وفادار بھی آ پُہنچے۔ عُمرو نے اُنہیں بھی تمام معاملات سے باخبر کیا۔ عادی پہلوان دِل میں خوش ہُوا کہ کل شہزادہ مرزبان کی شادی ہو رہی ہے۔ اُس نے طرح طرح کے کھانے پکائے ہوں گے۔ لِندھور اور مُقبِل تو لڑنے بھِڑنے میں لگے رہیں گے اور میں دیگوں کا صفایا کروں گا۔

اگلے روز صبح سویرے لِندھور نے گُرز سنبھالا، عادی پہلوان نے گلے میں بڑا سا ڈھول ڈالا۔ مُقبِل وفادار نے نفیری لی اور خود عُمرو ایک خوب صُورت نوجوان کی شکل بن کر پٹّا ہلانے لگا۔ اُس نے لِندھور کو اچھّی طرح سمجھا دیا کہ شہزادہ مرزبان کو زندہ پکڑنا ہے۔

جب یہ چاروں شہزادے کے لشکر میں آئے تو وہاں شادی کا ہنگامہ برپا تھا۔ ایک عظیم الشان خیمے کے اندر شہزادہ مرزبان دولھا بنا بیٹھا تھا۔ اس نے جب نجومی کے چاروں بیٹوں کے آنے کا حال سُنا تو فوراً اپنے حضُور میں طلب کیا۔ عُمرو نے پٹے بازی کے کمالات دِکھائے۔ پھِر عادی نے ڈھول بجایا اور مُقبِل وفادار نے نفیری۔ آخر میں لِندھور نے اپنا فولادی گُرز گھُمانا شروع کیا۔ اُس کی آواز ایسی تھی کہ خیمہ کانپنے لگا اور لوگ دہشت زدہ ہو کر چیخنے چلّانے لگے۔ شہزادہ اولاد مرزبان کی بھی گھگھّی بندھ گئی۔ اُس نے اشارے سے کہا کہ گُرز گھُمانا بند کرو۔ مگر اُسی وقت لِندھور نے خیمے کی بلّیوں اور بانسوں پر گُرز دے مارا اور خیمہ دھڑام سے گِر گیا۔ اِس کے بعد لِندھور نے ایک زبردست نعرہ مارا اور کہا۔

”جو مجھ کو جانتا ہے وُہ بھی سُن لے اور جو نہیں جانتا وُہ بھی جان لے کہ میرا نام لِندھور ہے اور میں ہندوستان کا بادشاہ ہُوں۔“

یہ سُننا تھا کہ شہزادہ مرزبان کے تمام ساتھی بھاگ نکلے اور کِسی نے پلٹ کر

بھی نے دیکھا کہ باقی بد نصیبوں پر کیا گُزری۔ شہزادی مِہر نگاہ کی حفاظت کرنے والے بارہ ہزار سپاہیوں کو عُمرو نے روک دیا اور کہا "کہ ہم امیر حمزہ کی طرف سے آئے ہیں۔ وہ زندہ سلامت ہیں۔" یہ سُن کر وُہ سپاہی بھی مرزبان کی فوج پر پِل پڑے اور مار مار کے اُن کا بُرا حال کر دیا۔

عادی پہلوان کا خیال ٹھیک نکلا۔ بُہت سے باورچی ایک طرف قورمے اور پلاؤ کی دیگیں پکا رہے تھے۔ عادی نے سب کو بھگایا اور کھانے کے لیے بیٹھنے ہی والا تھا کہ اُس نے شہزادہ مرزبان کو ایک طرف چھُپتے ہُوئے دیکھ لیا۔ اُسی وقت اپنا ڈھول اُس کے سر اِس زور سے مارا کہ ڈھول کی جھلّی پھٹ گئی اور شہزادہ ڈھول میں بند ہو گیا۔ عادی نے اس ڈھول کو اپنے گھُٹنے تلے دبایا اور پلاؤ پر ہاتھ صاف کرنے لگا۔

اُدھر عُمرو عیّار کو شہزادہ کی تلاش تھی۔ لیکن اُس کا کہیں پتا نہ مِلتا تھا۔ وُہ اُسے ڈھونڈتا ڈھونڈتا عادی کی طرف آیا۔ وُہ اطمینان سے پلاؤ کھا رہا تھا۔ اور چبائی ہوئی ہڈّیوں کا ایک اُونچا ڈھیر اُس کے آگے لگ گیا تھا۔ عُمرو کے تن بدن میں

آگ لگ گئی۔ اُس نے کہا۔

"ہم تو اپنی جان ہتھیلی پر لیے پھرتے ہیں اور تجھے دوزخ بھرنے کے سِوا اور کوئی کام نہیں۔ کیا پہلوان ایسے ہی بزدل ہوتے ہیں؟"

"اچھّا اچھّا سُن لیا۔" عادی نے کہا۔ "آخر تُم چاہتے کیا ہو؟"

"چاہتا ہُوں اپنا سر۔" عُمرو نے جل کر ایک دوہتّڑ عادی کے سر پہ مارا اور کہا۔ "اتنی دیر سے اولاد مرزبان کو تلاش کر رہا ہوں مگر اُس کا کہیں پتا نہیں۔ معلوم ہوتا ہے آنکھوں میں دھول جھونک کر بھاگ گیا۔"

یہ سُن کر عادی ہنسا اور ایک بڑی سی بھُنی ہوئی ران چباتے ہوئے بولا۔

"اِس ڈھول کے اندر جھانک کر دیکھو۔ شاید اولاد مرزبان کا پتا مِلے۔"

عُمرو نے ڈھول میں جھانکا تو اولاد مرزبان چوُہے کی طرح دُبکا بیٹھا تھا۔ گردن سے پکڑ کر باہر نکالا اور اُسی وقت رسّیوں سے جکڑ دیا۔ پھر عُمرو نے شہزادی مِہر نگار کو خُوش خبری دی کہ مرزبان پکڑا گیا ہے۔

اِس کام سے فارغ ہو کر عُمرو امیر حمزہ کے پاس گیا۔ اُنھیں اب تک کچھ خبر نہ تھی کہ کیا ہو رہا ہے۔ عُمرو نے سارا قصّہ سُنایا تو امیر نے خوش ہو کر اُس کو گلے لگا لیا اور کہا کہ تم نے دوستی کا حق ادا کر دیا۔ پھر اُنھوں نے سلطان بخت مغربی کو بُلایا اور حکم دیا۔

''شہزادی مِہر نگار کو عزّت کے ساتھ نوشیرواں کے پاس لے جاؤ۔ اولاد مرزبان کو بھی لیتے جانا۔ بادشاہ اِس کے لیے جو مناسب سمجھے گا، کرے گا۔ ہماری طرف سے سلام کے بعد کہنا کہ ہم زندہ سلامت ہیں۔ دُشمنوں نے پہلے ہمیں زہر دِیا لیکن ہم بچ گئے۔ پھر دُشمنوں نے ہمارے مرنے کی جھُوٹی خبر اُڑا دی۔ ہم ہندوستان کے بادشاہ لندھور کو بھی ساتھ لائے ہیں اور چند روز تک مدائن پُہنچ جائیں گے۔''

جب سلطان بخت مغرب چلا گیا تو عُمرو نے حیرت سے کہا۔ ''کیا آپ شہزادی مِہر نگار سے نہیں ملیں گے؟''

''نہیں۔'' امیر حمزہ نے جواب دیا۔ ''تُم دیکھتے ہو کہ جب سے ہمیں زہر دیا گیا

ہے پہلے جیسی حالت نہیں رہی۔ اب ہم ہڈّیوں کا ڈھانچا نظر آتے ہیں۔ مِہر نگار ہمیں اِس حالت میں دیکھی گی تو اُسے بہت رنج پُہنچے گا۔ اُمّید ہے مدائن پُہنچتے پُہنچتے ہماری صحت درست ہو جائے گی۔ تب ہم مِہر نگار کے سامنے جائیں گے۔ تُم اب مِہر نگار کے پاس جاؤ اور اسے تسلّی دو بلکہ بہتر یہی ہے کہ سلطان مغربی کے ساتھ تُم بھی مدائن چلے جاؤ۔"

اقلیمُوں نے جب یہ سُنا کہ عُمرو بھی مدائن جارہا ہے تو وُہ فوراً اُس کے پاس آیا۔ عُمرو نے اُسے دیکھتے ہی آنکھیں نکالیں اور بگڑ کر کہا۔ "آیئے، تشریف لایئے۔۔۔۔ضرور کوئی کام میرے سر پر لادنے کے لیے آئے ہُوں گے۔"

"ہاں کام تو ہے اور وُہ یہ کہ نوشیرواں کے خزانے میں ایک خاص دوا موجُود ہے، اُسے انوش دارُو کہتے ہیں۔ اگر تُم کِسی طرح تین تولے انوش دارُو حاصل کرلو تو بُہت اچھّا ہو۔ اُس کے استعمال سے امیر حمزہ کی کھوئی ہوئی صحت جلد واپس آجائے گی۔"

"آخر آپ طبیب کس بات کے ہیں۔" عُمرو نے جھنجھلا کر کہا۔ "مانگے تانگے

کی دواؤں سے تو آپ علاج کرتے ہیں۔ آج انوش دارُو کی فرمائش ہوئی ہے، کل کسی اور دوا کا نام بتادیں گے۔ پرسوں کوئی اور دوا۔۔۔۔ آپ نے مجُھے گھن چکر سمجھا ہے۔“

عُمرو کی باتیں سُن کر امیر حمزہ اور لِندھور خُوب ہنسے اور اقلیمُوں بے چارہ شرمندہ ہُوا۔ مُقبِل وفادار نے اقلیمُوں سے کہا۔ ”آپ عُمرو کی بکواس پر رنجیدہ نہ ہوں۔ یہ انوش دارُو ضرور لائے گا۔“

بہرام آتا ہے

سلطان بخت مغربی جب شہزادی مِہر نگار اور اولاد مرزبان کو لے کر مدائن کے قریب پہنچا تو نوشیرواں خُود اُس کے استقبال کو آیا اور بیٹی کو گلے لگایا۔ مگر جب امیر حمزہ کا نام سُنا تو دِل میں سخت خُوف زدہ ہُوا اور اولاد مرزبان کو حقارت کی نظر سے دیکھ کر کہنے لگا۔

"تُم نے اپنے دادا شہنشاہ کیکاؤس کا نام بدنام کیا۔ ذرا غیرت مند ہوتے تو اس حال میں میرے سامنے آنے کے بجائے وہیں کٹ مرے ہوتے۔ اب بہتر یہی ہے کہ میری نظروں کے سامنے سے دُور ہُو جاؤ اور پھر کبھی مُجھے اپنی منحُوس شکل نہ دِکھانا۔"

اِدھر تو یہ گفتگو ہو رہی تھی اور اُدھر عُمرو عیّار نے ایک بُڈّھے دیہاتی کسان کا

بھیس بدلا اور شہر مدائن میں داخل ہو کر سِیدھا ایک قصائی کی دُکان پر پُہنچا۔ اُس نے دو کھوٹے سِکّے اُس کے آگے پھینکے اور کہا۔ ”مُجھے انوش دارُو چاہیے۔“

قصائی حیرت سے عُمرو کو دیکھنے لگا۔ اُس نے کبھی انوش دارُو کا نام بھی نہ سُنا تھا۔ اور پھر کھوٹے پیسے دیکھ کر سمجھا کہ کوئی پاگل ہے۔ اُس نے پیسے اُٹھا کر عُمرو کے ہاتھ پر رکھے اور کہا۔ ”بڑے میاں، انوش دارُو میرے پاس نہیں ہے۔ کسی اور دکان پر جاؤ۔“

عُمرو وہاں سے بنیے کی دُکان پر گیا۔ اُس نے بھی یہی جواب دیا۔ پھر ایک کنجڑے کے پاس پُہنچا۔ اُس نے بھی ٹال دیا۔ غرض یہ کہ شہر بھر میں پھِرا یہاں تک کہ گلی کوچوں کے شریر بچّے تالیاں پیٹتے ہُوئے اُس کے پیچھے لگ گئے۔ جِدھر جاتا، یہی آواز آتی۔

”بڑے میاں، انوش دارُو۔۔۔۔ بڑے میاں۔۔۔۔ انوش دارُو۔۔۔۔“

اب تو عُمرو واقعی پاگل ہو گیا۔ جو شخص بھی اُسے انوش دارُو کا نام لے کر چھیڑ تا اُس کے پیچھے دوڑ تا۔ دِل ہی دِل میں اقلیمُوں کو بھی کوستا جاتا تھا کہ یہ سب اُسی کا کیا دھرا ہے۔ بدلہ نہ لیا تو میرا نام بھی عُمرو نہیں۔

وُہ اِسی طرح مدائن کے گلی کُوچوں میں گھُوم رہا تھا کہ کِسی نیک شخص نے اُس کے کان میں کہا۔ ”بڑے میاں، انوش دارُو بڑی قیمتی دوا ہے اور صرف بادشاہ کے ہاں ہی مِلے گی۔ اُس کے محل کے باہر ایک زنجیر لٹک رہی ہے، جا کر اُسے ہلاؤ۔ بادشاہ فوراً تمہیں بُلائے گا۔ اُس سے درخواست کرنا۔ اُمّید ہے تمہیں انوش دارُو مِل جائے گی۔“

عُمرو نے محل میں جا کر اِس زور سے زنجیر کو جھٹکا دیا کہ ایک زلزلہ سا آیا۔ نوشیرواں اور اُس کے درباری گھبرا کر باہر نکلے۔ دیکھا کہ ایک بُڈّھا دیہاتی کھڑا ہے۔ نوشیرواں نے کہا۔

”کیا بات ہے؟۔۔۔۔ تُم پر کِس نے ظُلم کِیا؟“

عُمرو نے جھٹ وُہ کھوٹے سِکّے بادشاہ کے آگے پھینکے اور بولا۔ ”بادشاہ سلامت، یہ پیسے سنبھالیے اور مُجھے تِین تولے انوش دارُو دلوائیے۔ میرے بیٹے کو سانپ نے کاٹ لِیا ہے۔ طبیب کہتا ہے کہ اِس کا علاج صرف انوش دارُو سے ہو گا۔ میں نے شہر میں سب دُکانیں دیکھ ڈالیں۔ کِسی نے پاس انوش دارُو نہیں دیا۔ اب آپ کے پاس آیا ہُوں۔“

یہ سُن کر نوشیر واں اور اُس کے درباری بے اختیار ہنس پڑے۔ ایک وزیر نے وُہ کھوٹے سِکّے اُٹھا کر عُمرو کو دیے اور کہا ”بادشاہ سلامت، تمھیں مُفت انوش دارُو دیں گے۔ یہ پیسے اپنے پاس رکھّو۔“

”نہیں جناب، میں غریب ضُرور ہوں، مگر مُفت خورہ نہیں ہُوں۔“ عُمرو نے سر ہلا کر کہا۔ ”یہ پیسے تو آپ کو رکھنے ہی پڑیں گے۔“

نوشیر واں ہنسا، کہنے لگا۔ ”ہمارے ملک میں کیسے سادہ دِل آدمی بستے ہیں۔ اِس بیچارے کو یہ بھی معلوم نہیں کہ کھوٹے سِکّے میرے کِس کام کے ہیں۔ لیکن ہم اُس کی خُودداری کو ٹھیس پُہنچانا نہیں چاہتے۔ اِس لئے یہ سِکّے رکھے لیتے

ہیں۔“

اس کے بعد نوشیر واں نے خواجہ بزُرجمہر سے کہا۔ ”آپ اِس کِسان کو ہمارے خزانے میں لے جایئے اور تین تولے انوش دارُو دے دیجئے۔“

خواجہ بزُرجمہر کِسان کو خزانے میں لے گئے۔ سُونے کے بنے ہُوئے ایک ڈبّے کو کھول کر اُس میں چھ تولے انوش دارُو نِکالی۔ تین تولے کِسان کو دی اور تین تولے اپنی جیب میں رکھی۔ دراصل وُہ علمِ نجوم سے معلوم کر چُکے تھے کہ عُمرو کِسی دِن انوش دارُو لینے آئے گا۔ لیکن جب کِسان کے بھیس میں آیا تو بزُرجمہر اسے پہچان نہ سکے۔

صندُوق بند کر کے بزُرجمہر چلنے لگے تو کِسان نے اُن کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔

”وزیر ہو کہ چوری کرتے ہو، یہ انوش دارُو جو تُم نے اپنی جیب میں رکھی ہے، فوراً میرے حوالے کر دو ورنہ ابھی جا کر بادشاہ سے کہتا ہوں۔“

بزُرجمہر کا خُون خُشک ہو گیا۔ اُسی وقت انوش دارُو نکال کر عُمرو کے حوالے کر

دی۔ اور دربار میں آئے۔ اِدھر بختک کے دِل میں کھُد بُد ہو رہی تھی۔ وُہ جانتا تھا کہ بزُرجمہر نے امیر حمزہ کی خاطر انوش دارُو ضُرور نکالی ہو گی۔ اُس نے نوشیر واں کے کان میں کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ خواجہ بزُرجمہر نے انوش دارُو زیادہ مقدار میں نکالی ہے۔ کُچھ کسان کو دی ہو گی اور باقی اپنے پاس چھُپالی ہو گی۔"

یہ سُن کر نوشیر واں کو غصّہ آیا۔ حُکم دیا کہ بزُرجمہر کی تلاشی لی جائے۔ بختک نے تلاشی لی مگر انوش دارُو ہوتی تو ملتی۔ تب بادشاہ بختک پر ناراض ہُوا اور جلّاد کو بُلا کر حکم دیا کہ اِس نابکار کو دس کوڑے لگاؤ۔ اِس نے بزُرجمہر پر چوری کی تُہمت لگائی ہے۔ اور اِدھر خواجہ بزُرجمہر دِل ہی دِل عُمرو کی عقلمندی پر عش عش کر رہے تھے۔ اب وہ سمجھ چُکے تھے کہ کسان کے بھیس میں عُمرو عیّار ہی آیا تھا۔

اب ہم خاقانِ چین بہرام کا کچھ حال بیان کرتے ہیں۔ آپ کو یاد ہو گا کہ امیر حمزہ جب تین جہاز لے کر ایران سے ہندوستان کی طرف روانہ ہُوئے تھے تو

سمندر میں طوفان آگیا تھا اور بہرام کا جہاز غائب ہو گیا تھا۔ چھ مہینے تک یہ جہاز سمندر کی لہروں پر بھٹکتا رہا۔ اِس عرصے میں بُہت سے سپاہی مر گئے اور جو باقی بچے اُن کی حالت بُہت خراب تھی۔ بھُوک اور پیاس کے مارے ہڈیاں نکل آئی تھیں اور کپڑے پھٹ کر تار تار ہو چکے تھے۔

چھ مہینے بعد اُن کا جہاز خُود بخُود خُشکی پر آن کر رُکا۔ معلوم ہُوا کہ یہ سِندھ کی کوئی بندر گاہ ہے۔ بہرام اپنے آدمیوں کو لے کر جب شہر میں داخل ہُوا تو لوگوں نے بڑی آؤ بھگت کی اور اِن مُصیبت زدہ سپاہیوں کو کھانے پینے کی چیزیں اور کپڑے مہیّا کیے۔ چند روز کے اندر اندر اِن لوگوں کے تن بدن میں جان آگئی۔

اب بہرام یہاں سے چل کر ایک اور شہر میں پُہنچا۔ اس شہر میں برگد کا ایک بُہت پرانا اور گھنا درخت تھا۔ اس درخت کے نیچے لکڑی کی چوکی پر بُہت بڑی کمان اور ہزار اشرفیوں کی تھیلی رکھی تھی۔ بہرام نے لوگوں سے پُوچھا کہ یہ کمان اور اشرفیوں کی تھیلی کِس نے رکھی ہے تو ایک شخص نے بتایا کہ اس شہر

کے حاکم کا نام سر کش ہِندی ہے اور اُس کا بھائی کوہ لخت ہندی بڑا زبردست پہلوان ہے۔ یہ کمان اُسی نے رکھے ہے اور چیلنج دیا ہے کہ جو شخص اِس کمان کو کھینچے، ہزار اشرفیوں کی تھیلی یہاں سے اُٹھالے۔

بہرام نے ہنس کر کہا۔ "ایسی ایک کمان کیا، میں دس کمانیں کھینچ سکتا ہُوں۔"

یہ کہہ کر اُس نے کمان اُٹھالی اور اِس زور سے کھینچی کہ وُہ دُوہری ہو گئی۔ تماشائیوں کے ٹھٹ لگ گئے اور ہر شخص نے بہرام کی طاقت دیکھ کر دانتوں میں انگلی دبالی۔ کسی آدمی نے سر کش ہندی کو بھی خبر پہنچائی کہ ایک اجنبی شخص شہر میں آیا ہے اور اُس نے اپنے زورِ بازو سے کوہِ تخت ہندی کی کمان دُوہری کر دی ہے۔ سر کش ہندی یہ سُن کر حیران ہُوا۔ فوراً اپنے سپاہیوں کا ایک دستہ روانہ کیا اور اُنہیں ہدایت کی کہ جس آدمی نے کمان توڑی ہے اُسے عزّت سے میرے پاس لے آؤ۔

سپاہی بہرام کو اپنے ساتھ لے گئے۔ سر کش ہندی نے اپنے تخت سے اُٹھ کر اس کا اِستقبال کیا اور پُوچھا۔ "کیوں صاحب یہ کمان آپ ہی نے کھینچی تھی؟"

”جی ہاں۔“ بہرام نے کہا۔

”میں چاہتا ہُوں کہ آپ میرے سامنے اس کمان کو کھینچ کر دکھائیں۔“

”ابھی لیجئے۔“ یہ کہہ کر بہرام نے کمان دوبارہ ہاتھ میں لی اور اس مرتبہ ایسی طاقت سے کھینچی کہ اُس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

”اے نوجوان آفرین ہے تجھ پر۔“ سرکش ہندی نے خُوش ہو کر کہا۔ پھر حکم دیا کہ بہرام کے لیے ایک کرسی لائی جائے۔ مگر بہرام اس کے برابر ہی رکھی ہُوئی ایک خُوش نما کرسی پر بیٹھ گیا۔ اچانک ایک دیو جیسا شخص شیر کی کھال اوڑھے اور چمکتا ہُوا خنجر ہاتھ میں لیے بہرام کی طرف جھپٹا اور گرج کر بولا۔

”تُو نے میری کمان توڑی اور اب تیری یہ مجال کہ میری کرسی پر بیٹھے۔“

یہ کوہ لخت ہندی تھا۔ بہرام نے اُس کے ہاتھوں پکڑ کر اِس زور سے بل دیا کہ اُس کی چیخیں نِکل گئیں اور خنجر ہاتھ سے چھُوٹ کر دُور جا گرا۔ اب بہرام نے اُس کی کمر پکڑی اور نعرہ مار کر ہاتھوں پر اٹھایا، سر سے اُونچا کیا اور سامنے دیوار

پر دے مارا۔ یہ چوٹ ایسی تھی کہ کوہ لخت بر داشت نہ کر سکا اور ایک بھیانک چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا۔ اُس کے مُنہ اور پھٹے ہُوئے سر سے خُون بہہ رہا تھا۔

یہ دیکھ کر سب لوگ دہشت سے کانپنے لگے۔ بہرام نے بُلند آواز سے کہا۔

"کوئی اور صاحب اگر اپنی طاقت آزمانا چاہیں تو آگے آجائیں۔"

مگر کِسی کو آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ بہرام پھر اُسی کُرسی پر بیٹھ گیا۔ اب سرکش ہندی نے غلاموں کو حکم دیا کہ مہمان کے لیے کھانا لایا جائے۔ غرض دیر تک بہرام اور اُس کے ساتھیوں کی تواضع ہوتی رہی۔ آخر سرکش ہندی نے بہرام سے کہا۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ جناب کا نام کیا ہے اور آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟"

"میرا نام بہرام ہے اور میں چین کا بادشاہ ہُوں۔" یہ کہہ کر بہرام نے سمندر

میں سفر کرنے اور امیر حمزہ سے الگ ہونے کا سارا قصّہ سُنایا۔ سرکش ہندی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کہنے لگا۔

"افسوس ہے کہ آپ بُہت دیر سے آئے ورنہ حمزہ یوں اپنی جان سے ہاتھ نہ دھوتا۔ کئی روز ہوئے ایک شخص گستم پہلوان اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ یہاں آیا تھا لیکن میں نے اُسے شہر میں گھُسنے کی اجازت نہ دی۔ اُسی کی زبانی میں نے سُنا کہ لِندھور نے امیر حمزہ کو ہلاک کیا اور پھر گستم نے کسی طرح لِندھور کو بھی مار ڈالا اور ان دونوں کے سر کاٹ کر نوشیرواں کے پاس بھیج دیئے۔"

بہرام نے امیر حمزہ کے مارے جانے کی خبر سُنی تو بے اختیار رو رویا اور اپنا گریبان چاک کر ڈالا۔ پھر جوش میں آ کر تلوار نیام نے نِکال کر بولا۔

"قسم ہے مُجھے پیدا کرنے والے کی کہ جب تک امیر حمزہ کے قتل کا بدلہ نہ لے لوں گا چین سے نہ بیٹھوں گا۔ میرے پاس ابھی کئی ہزار سپاہی ہیں۔ اُن کو لے کر اِسی دَم مدائن جاتا ہوں اور نوشیرواں کی سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجاتا ہُوں۔"

سرکش ہندی نے بہرام کی ہر طرح مدد کی اور اُس کی فوج کے لیے ضروری ہتھیار اور سامان تیّار کیا۔ بہرام اپنے جہاز پر سوار ہُوا اور تیز رفتاری سے ایران کی طرف چلا۔ دو ماہ بعد ایک جزیرے پر اپنے پہنچ کر لنگر انداز ہُوا۔ اُدھر جاسوسوں نے نوشیرواں کو خبر پہنچائی کہ بہرام آپ سے جنگ کرنے آتا ہے۔ نوشیرواں نے گستہم کے بیٹے کے بیٹے اشک کو دس ہزار سپاہی دے کہ لڑنے بھیجا۔ لڑائی سے پہلے اشک نے ایک خط بہرام کو بھیجا جِس میں لِکھا کہ امیر حمزہ زندہ سلامت ہیں۔ اُنہیں کِسی نے ایک قتل نہیں کیا۔ جنگ سے باز آؤ اور چل کر نوشیرواں کی اطاعت کرو۔

بہرام نے جواب میں لکھا کہ میں تُم لوگوں کے دھوکے اور فریب سے اچھی طرح واقف ہوں۔ مُجھ سے ایسی باتیں نہ کرو اور اب مرنے کے لیے تیّار ہو جاؤ۔

یہ جواب مِلا تو اشک کو غصّہ آیا۔ اُسی وقت بہرام پر حملہ کر دیا۔ مگر بہرام کی فوج کے سامنے اُس کے سپاہی جم نہ سکے اور گاجر مولی کی طرح کٹنے لگے۔ آخر

اشک نے خود میدان میں آ کر بہرام کے مُقابلے کے لیے للکارا۔ بہرام مست ہاتھی کی مانند جھُومتا ہُوا سامنے آیا۔ اشک نے نیزہ بُلند کر کے بہرام کے سینے میں نیزہ مارنا چاہا مگر بہرام نے وہی نیزہ چھِین کر اِس زور سے اُس کی چھاتی میں مارا کہ سینہ توڑتا ہُوا پِیٹھ سے نِکل گیا۔ ایک گھوڑے سے نیچے گِرا اور اُسی وقت دم توڑ دیا۔

سپاہیوں نے جب اپنے سپہ سالار کو مرتے دیکھا تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ لیکن بہرام کی فوج نے اُن کا پیچھا کیا اور اس بُری طرح قتلِ عام کیا کہ دس ہزار میں سے صرف پانچ سو سپاہی جانیں بچا کر مدائن پہنچ سکے۔

اِدھر بہرام نے اِیران کے چھوٹے چھوٹے شہروں اور قصبوں میں تباہی مچا دی۔ بستیوں اور شہروں کو جلاتا اور لوگوں کو بے دریغ قتل کرتا ہُوا مدائن تک آ پہنچا۔ نوشیرواں نے مجبور ہو کر قلعے میں پناہ لی۔ مگر بہرام نے قلعہ چاروں طرف سے گھیر لیا۔ نوشیرواں نے کئی بار قاصد بھیجے اور بہرام کو سمجھایا کہ اپنی حرکت سے باز آ جا، امیر حمزہ زِندہ ہیں اور مدائن آنے والے

ہیں، لیکن بہرام نے ایک نہ سُنی۔ اُس نے نوشیر واں کو پیغام بھجوایا کہ اپنی جان کی خیر مانگتا ہے تو اپنے آپ کو فوراً ہمارے حوالے کر دے ورنہ مدائن کو ایسا تہس نہس کروں گا کہ دُنیا ہمیشہ یاد رکھے گی۔

اب تو نوشیر واں بہُت گھبر ایا۔ وُہ اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کرنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ صحرا کی جانب سے گرد کا ایک بادل اُٹھا۔ پھِر اس گرد میں سے عَلَم اژدھا پیکر نمودار ہُوا اور طبلِ سکندری بجنے کی آواز آئی۔ نوشیر واں کی جان میں جان آئی۔ خُوش ہُوا کہ امیر حمزہ کا لشکر آ پُہنچا۔

اِدھر بہرام کو بھی پتا چل گیا کہ امیر حمزہ آتے ہیں۔ بے اختیار اُن کی طرف دوڑا اور جاتے ہی اُن کے گھوڑے کی رکاب کو بوسہ دیا۔ امیر حمزہ گھوڑے سے اُترے اور بہرام کو سِینے سے لگایا۔ پھر لِندھور سے بہرام کی ملاقات کرائی۔ ابھی یہ آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ نوشیر واں کی جانب سے دو سوار یہ پیغام لے کر آئے کہ ہم آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ آپ اپنا لشکر وہیں ٹھہرائیں۔ ہم خُود قلعے سے باہر آکر استقبال کریں گے۔

تھوڑی دیر بعد قلعے کا بڑا دروازہ کھُلا اور نوشیر واں بڑی شان و شوکت سے اپنے وزیروں، درباریوں، پہلوانوں اور فوجی سرداروں کے جھُرمٹ میں نمودار ہُوا۔ اِدھر سے امیر حمزہ بھی چلے اور دوڑ کر نوشیر واں کے ہاتھ چُومے۔ بادشاہ نے امیر حمزہ کو دعائیں دے کر گلے لگایا۔ بہرام نے اُس وقت نوشیر واں سے اپنے قصور کی معافی مانگی اور بادشاہ نے اُسے معاف کر دیا۔

آخر میں بادشاہ نے امیر حمزہ سے کہا۔ "تم ابھی اپنے لشکر کے ساتھ شہر سے باہر ہی قیام کرو۔ مدائن والے تمہارے استقبال کے لیے شہر کو سجانے میں مصروف ہیں۔ جب اُن کی سجاوٹ مکمل ہو جائے گی تب تمہیں شہر میں آنے کی اجازت ملے گی۔"

"جو حضُور کا حکم۔" امیر حمزہ نے کہا اور بادشاہ کو رخصت کر کے واپس آئے۔

نوشیر واں کے ساتھ بختک بھی آیا تھا۔ اُس نے جب امیر حمزہ کی شان و شوکت، لِندھور کی قوّت اور بہرام کی بہادری دیکھی تو دِل میں بے حد خُوف زدہ ہُوا اور حسد کی آگ اُس کے سینے میں تیزی سے بھڑکنے لگی۔۔۔ سوچنے

لگا کہ نوشیرواں کو امیر حمزہ کے خلاف بھڑکانے کی کوئی تدبیر کرنی چاہیے۔ آخر شیطان نے ایک راہ بتائی اور بختک خُوشی سے اُچھل پڑا۔

آدھی رات کا وقت تھا کہ بختک نوشیرواں کے محل میں پہنچا۔ پہرے داروں سے کہا کہ مُجھے فوراً بادشاہ کی خدمت میں لے چلو۔ ایک ضروری بات کہنی ہے۔ پہرے دار اُسے نوشیرواں کی خواب گاہ میں لے گئے۔ بادشاہ نیند سے بیدار ہُوا۔ دیکھا کہ بختک ہاتھ باندھے کھڑا ہے۔ اُس نے گھبرا کر پُوچھا۔ "خیر تو ہے؟ اِس وقت کیسے آئے۔"

"جہاں پناہ، خیر ہی تو نہیں ہے۔ اِسی لیے غلام کو حاضر ہونا پڑا۔ اس تکلیف کے لیے معافی چاہتا ہُوں۔"

"جلد کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"حضور، آپ امیر حمزہ کی جانب سے غافل نہ ہوں۔ پہلے وُہ اکیلا تھا، اب لِندھور اور شاہ بہرام جیسے طاقت ور اور بہادر بادشاہ بھی اُس کے ساتھ ہیں۔

امیر حمزہ اُنہیں ایران میں لے آیا ہے اور اُن کے ساتھ زبردست فوجی طاقت بھی ہے۔ حضور، میرے مُنہ میں خاک۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ آپ کے خلاف سازش کریں اور تخت چھین لیں۔ اِسی فکر کی وجہ سے میں گھُلا جاتا ہُوں۔"

بختک کی اِن باتوں نے نوشیرواں کی نِیند غائب کر دی۔ وُہ اتنا بدحواس ہُوا کہ اُس کے مُنہ سے دیر تک کوئی لفظ نہ نِکل سکا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بختک کی طرف دیکھنے لگا۔ نوشیرواں کی حالت خراب ہوتے دیکھ کر بختک دِل میں خوش ہُوا۔ پھر کہنے لگا۔

"جہاں پناہ، غلام کا جو فرض تھا وُہ اُس نے ادا کر دیا۔ اب اجازت چاہتا ہُوں۔"

"ٹھہرو۔ ہم نے تُمہاری بات پر غور کیا۔۔۔ بے شک سچ کہتے ہو۔ امیر حمزہ، بہرام اور لِندھور سے کُچھ دُور نہیں کہ ہمارا تاج اور تخت چھین لیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اِن سے کیونکر چھُٹکارا حاصل کیا جائے۔ تُمہارے ذہن میں

کوئی تدبیر آتی ہے؟"

"حضور تدبیر یہی ہے کہ اِن تینوں کو ایک ایک کر کے موت کے گھاٹ اُتار دِیا جائے۔" بختک نے کہا۔ "صُبح حمزہ آپ کے دربار میں آئے گا۔ اس سے کہیے کہ ہم نے تجھے ہندوستان اِس لیے بھیجا تھا کہ لِندھور کا سر کاٹ کر لائے۔ مگر تُو نے ہمارے حکم کی تعمیل نہ کی اور لِندھور کا سر لانے کے بجائے تو اُسی کو لے کر یہاں آ گیا۔ اب ہماری خوشی اِسی میں ہے کہ لِندھور کا سر کاٹ کر حاضِر کیا جائے۔"

نوشیرواں یہ تدبیر سُن کر خوش ہُوا۔ کہنے لگا۔ "ہاں یہ بات کُچھ دِل کو لگتی ہے مگر حمزہ سے ہم خود نہیں کہیں گے۔ ہماری طرف سے تم کہنا۔ اب جاؤ۔"

بختک اپنی مکّاری پر خوش ہو کر بغلیں بجاتا ہُوا واپس آیا۔

اگلے روز جب نوشیرواں دربار میں آیا تو دیکھا کہ امیر حمزہ پہلے ہی سے موجُود ہیں۔ اُنھوں نے بادشاہ کو سلام کیا مگر بادشاہ نے جواب نہ دیا اور مُنہ پھیر لیا۔

یہ دیکھ کر امیر حمزہ حیران ہُوئے اور سوچنے لگے یہ کیا معاملہ ہے۔ بادشاہ ایکا ایکی مُجھ سے ناراض کیوں ہو گیا۔ ایسا معلوم ہو تا ہے کہ کِسی نے میرے خلاف اُس کے کان بھرے ہیں۔

دربار کی کاروائی شروع ہوئی تو بختک وزیر اپنی کرسی سے اُٹھا اور اُس نے امیر حمزہ سے کہا۔

”اے حمزہ، تمہیں بادشاہ سلامت نے ہندوستان اِس لیے بھیجا تھا کہ لِندھور کو دوست بنا کر یہاں لے آئے۔ اب بادشاہ سلامت یہ چاہتے ہیں کہ تُم اپنا وعدہ پُورا کرو یعنی جلّاد سے کہو کہ لِندھور کا سر کاٹ کر لائے اور شاہی محل کے بڑے دروازے پر لٹکا دے تا کہ ان سرداروں کو عبرت ہو جو سلطنت کے باغی ہونے کا ارادہ کر رہے ہیں۔“

بختک کی تقریر سُن کر امیر حمزہ کا چہرہ اُتر گیا۔ اُنہوں نے نرم لہجے میں جواب دیا۔

”میرا ہندوستان جانے کا اصل مقصد تو یہ تھا کہ لِندھور کو اطاعت کے لیے مجبور کر کے اُس سے خراج وصول کروں۔ جب یہ مقصد پورا ہو چکا ہے تو کیا ضروری ہے کہ اُس کے خُون سے ہاتھ رنگے جائیں۔“

”ہاں، اِس وقت ہماری نظر میں یہی ضروری ہے۔“ نوشیرواں نے ناراض ہو کر کہا۔ ”آج تمہاری وفاداری کا بھی امتحان ہے۔ دیکھنا ہے کہ تُم اِس امتحان میں کام یاب ہوتے ہو یا نہیں۔“

”بہُت بہتر عالی جاہ؟“ امیر حمزہ نے کہا۔

”لِندھور کا سر ابھی خِدمت میں حاضِر ہو جائے گا۔“

یہ کہہ کہ عُمرو عیّار کو بُلایا اور اُس سے کہا کہ ”ابھی جاؤ اور لشکر میں جا کر لِندھور سے کہو کہ تجھ کو ہم نے طلب کیا ہے۔ تیرے سر کی ضرورت ہے۔“

عمرو عیّار روتا ہُوا لشکر میں گیا اور لِندھور کو امیر حمزہ کا پیغام دے کر کہا۔

”ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دشمنوں نے ہمارے خلاف کوئی سازش کی ہے اور وُہ

ایک ایک کر کے ہم سب کو مروا دینا چاہتے ہیں۔ پہلی باری آپ کی ہے۔ بولیے کیا کہتے ہیں؟"

"کہنا کیا ہے۔" لِندھور نے سِینہ تان کر کہا۔ "ہم تو طے کر چُکے ہیں کہ امیر حمزہ کے قول پر جان دیں گے۔ اب جیسا اُنہوں نے حکم دیا ہے، ویسا ہی کروں گا اور تُمہارے ساتھ امیر حمزہ کے پاس چلوں گا۔ اس کے بعد اُنہیں اختیار ہے۔ خواہ میری گردن کاٹیں یا مُجھے زندہ گاڑ دیں۔"

یہ کہہ کر لِندھور اپنے سیاہ ہاتھی پر سوار ہُوا۔ کئی مَن وزنی فولادی گُرز کندھے پر رکھا اور عُمرو کو اپنے پیچھے بٹھا کر مدائن شہر کے اندر گیا۔ لِندھور کو دیکھنے کے لیے شہر میں تماشائیوں کا ہجوم ہو گیا۔ جو اُسے دیکھتا خوف سے تھر تھر کانپتا۔ لِندھور جب دربار میں داخل ہُوا تو اپنا گُرز ہُوا میں اُچھالنا شروع کیا۔ یہ حرکت دیکھ کر بڑے بڑے پہلوان خُوف سے لرز گئے اور چلّا اُٹھے کہ لِندھور کو منع کیا جائے۔ اگر یہ گُرز اِس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گِرا تو کئی آدمی کُچل کر قیمہ بن جائیں گے۔

امیر حمزہ نے لِندھور کو منع کیا تب وُہ باز آیا۔ وُہ امیر حمزہ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوا اور بولا۔ ”کہیے میرے لیے کیا حکم ہے؟“

”تُم نے بادشاہ سلامت کو سلام نہیں کیا۔“

”میرے بادشاہ آپ ہیں۔ آپ کے سِوا میں کسی کو سلام نہ کروں گا۔“ لِندھور نے جواب دیا۔

”خیر، میرا بادشاہ نوشیرواں ہے اور اُسے تمہارے سر کی ضرورت ہے۔ اب تُم جلّاد خانے کے صحن میں جا کر بیٹھو اور جب تک ہم اجازت نہ دیں، اپنا سر اوپر نہ اُٹھانا۔“

لِندھور نے ادب سے سر جھکایا اور جلّاد خانے کے صحن میں گیا۔ اپنا گُرز بھی رکھا اور اُسی کا سہارا لے کر بیٹھ رہا۔

اب امیر حمزہ نے عادی پہلوان کو بُلا کر حکم دیا۔ ”تو جا اور لِندھور کا سر کاٹ کر لے آ۔“

عاری پہلوان لرزتا کانپتا جلّاد خانے میں پُہنچا۔ تلوار اُس کے ہاتھ میں تھی۔ دیکھا کہ لِندھور گردن جھکائے بیٹھا ہے اور کہہ رہا ہے۔ ''خُدا کا شکر ہے کہ مجھے اپنے دوست کے اُوپر قربان ہونے کا موقع مِلا۔'' عادی پہلوان نے جب یہ کلمہ سُنا، تلوار ہاتھ سے چھُوٹ کر گر پڑی۔ دل میں کہا۔ ''میں لِندھور کو ہر گز قتل نہ کروں گا۔'' وہ لِندھور کے قریب ہی جا کر بیٹھا اور کہنے لگا۔

''جو شخص تُمہارا سر کاٹنے آئے گا، اُسے پہلے میرا سر کاٹنا ہو گا۔''

جب خاصی دیر ہو گئی اور عاری پہلوان لِندھور کا سر لے کر حاضر نہ ہُوا تو امیر حمزہ نے عُمرو عیّار سے کہا کہ تو جا اور دیکھ کہ عادی کہاں غارت ہو گیا۔ عُمرو جلّاد خانے میں آیا۔ دیکھا کہ عادی پہلوان بھی وہیں بیٹھا ہے اور کہتا ہے کہ جلّاد پہلے میرا سر کاٹے، لِندھور کی باری بعد میں آئے گی۔ یہی خبر امیر حمزہ کو دی۔ اُنہیں طیش آیا۔ سلطان بخت مغربی کو حکم دیا کہ تو جا اور لِندھور کا سر لا۔ وُہ گیا اور یہ کہہ کر لِندھور کے قریب بیٹھ گیا کہ یہ خُون خرابہ مُجھ سے نہ ہو سکے گا۔ اب امیر حمزہ نے بہرام کو بھیجا۔ مگر وُہ بھی وہیں بیٹھ رہا۔

غرض یہ کہ کئی پہلوان اور سردار لِندھور کا سر لانے بھیجے گئے مگر جو جاتا، وُہ لوٹ کر نہ آتا۔ آخر بختک نے امیر حمزہ سے کہا۔ "اگر اجازت ہو تو شاہی جلّاد کو بھیجا جائے۔"

"بادشاہ سلامت کو اِختیار ہے۔ جِسے چاہیں بھیجیں۔" امیر حمزہ نے جواب دیا۔

بختک نے نوشیرواں کی اجازت سے جلّادوں کے سردار کو طلب کیا۔ وُہ سات فُٹ اُونچا حبشی تھا۔ چیتے کی کھال اوڑھے اور ہاتھ میں ایک مَن وزنی کلہاڑا لیے ہُوئے آیا اور آتے ہی بُلند آواز سے کہا۔

"وُہ کون بدنصیب ہے جو میرے ہاتھوں مارا جائے گا؟"

"جلّاد خانے میں جا اور لِندھور کی گردن تن سے الگ کر۔" نوشیرواں نے اُسے حکم دیا۔

یہ سُن کر وُہ مست شیر کی طرح جلّاد خانے میں گیا۔ عُمرو نے اُسے آتے دیکھا تو خوف سے آنکھیں بند کر لیں۔ اِدھر بہرام، عادی پہلوان اور سلطان بخت

مغربی اپنی اپنی تلواریں سونت کر کھڑے ہو گئے لیکن لِندھور اُسی طرح گردن جھکائے بیٹھا رہا۔

یکایک نقّارہ بجنے کی آواز سُنائی دی۔ عُمرو نے بتایا کہ نوشیرواں کی ملکہ کی سواری اُدھر سے گُزر رہی ہے۔ ملکہ نے جلّاد خانے کے باہر لوگوں کا ہجوم دیکھا تو پُوچھا کہ کِس کی گردن ماری جاتی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ نوشیرواں کا حُکم ہے کہ لِندھور کا سر پیش کیا جائے اور اب شاہی جلّاد اُس کا سر کاٹنے آیا ہے۔

یہ سُن کر خُود جلّاد خانے میں آئی اور حبشی کو حُکم دیا کہ جہاں سے آیا ہے وُہیں چلا جا ورنہ تیرے ناک کان کٹوا دُوں گی۔ جلّاد وہاں سے رفوچکّر ہُوا۔ ملکہ نے لِندھور کو اپنے ساتھ لے جانا چاہا مگر اُس نے اِنکار کر دِیا۔

اُدھر جلّاد نے بادشاہ کو خبر دی کہ ملکہ نے لِندھور کو بچا لیا ہے۔ یہ سُنتے ہی امیر حمزہ کے چہرے پر رونق آ گئی اور بختک دِل میں پیچ و تاب کھانے لگا۔ نوشیرواں نے جی میں کہا کہ ملکہ بڑی عقل مند اور دانا عورت ہے اُس نے

ضرور لِندھور کے بچ جانے میں کوئی مصلحت دیکھی ہو گی۔ ہم اُس سے
دریافت کریں گے۔ اُس نے دربار برخاست کیا۔ امیر حمزہ، لِندھور، بہرام،
عادی پہلوان، سلطان بخت مغربی، عُمرو اور مُقبِل وفادار اپنے لشکر میں آ گئے۔

نیا فریب

اُسی روز رات کے وقت جب نوشیرواں اور ملکہ کھانا کھانے بیٹھے تو باتوں باتوں میں بادشاہ نے کہا۔ ”آج ہم نے جلّاد کو بھیجا تھا کہ لِندھور کا سر کاٹ کر لائے مگر تُم نے اُس کو بچالیا۔ اس کی وجہ کیا ہے؟“

ملکہ مُسکرا کر کہنے لگی۔ ”آپ کا نام نوشیرواں عادل ہے اور آپ سات سلطنتوں کے بادشاہ ہیں۔ لِندھور بھی ہندوستان جیسی بڑی سلطنت کا بادشاہ ہے اور بادشاہ بادشاہوں کو یوں نہیں مروایا کرتے۔ یہ کام آپ کی شان کے خلاف تھا۔ جو سُنتا آپ کو بدنام کرتا۔ پھر یہ بھی سوچیے کہ لِندھور کو مار ڈالنے سے آپ کو کیا فائدہ پہنچے گا۔ اصل جڑ تو سلامت رہی۔ میرا مطلب امیر حمزہ سے ہے۔ قتل کرنا ہی ہے تو امیر حمزہ کو قتل کیجئے تاکہ سارا جھگڑا ختم ہو۔“

”ہم تمہاری عقل مندی کی داد دیتے ہیں۔“ نوشیرواں نے کہا۔ ”تم نے لِندھور کو بچا کر اچھّا کیا۔ مگر مُصیبت تو یہ ہے کہ امیر حمزہ کو کیسے ختم کیا جائے۔“

”ہاں، اُسے مارنا خاصا مُشکل کام ہے۔“ ملکہ نے فکر مند ہو کر کہا۔

اتنے میں بختک کی ماں وہاں آگئی۔ اُس کا نام سقر غار تھا۔ لومڑی کی طرح مکّار تھی۔ اُس نے چُپکے چُپکے بادشاہ اور ملکہ کی باتیں سُن لیں تھیں۔ جب امیر حمزہ کو قتل کرنے کی تدبیروں پر غور ہو رہا تھا۔ تو اِس عورت کے ذہن میں ایک انوکھی تدبیر آئی۔ اُسی وقت بادشاہ کے سامنے حاضر ہو کر کہنے لگی۔

”حضور ایک بات لونڈی کے ذہن میں آئی ہے جِس سے سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے گی۔ اجازت ہو تو عرض کروں۔“

”ہاں ہاں فوراً کہو۔“ ملکہ نے خُوش ہو کر کہا۔

”سرکار، تدبیر یہ ہے کہ شہزادی مِہر نگار کو مَیں ایک تہہ خانے میں لے جاتی

ہُوں۔ آپ امیر حمزہ سے کہیے کہ شادی کی تیّاریاں کرو۔ پانچ چھ دن بعد یہ خبر اُڑا دیجئے کہ شہزادی بُہت بیمار ہے۔ اِس کے بعد کہہ دیں گے کہ اُس کا انتقال ہو گیا۔ مُجھے یقین ہے حمزہ یہ برداشت نہ کر سکے گا اور اپنے آپ کو ہلاک کر لے گا۔"

نوشیر واں یہ تجویز سُن کر بُہت خُوش ہُوا۔ سقر غار کو انعام دیا اور کہا کہ آج ہی شہزادی مِہر نگار کو محل کے سب سے نِچلے تہہ خانے میں لے جا۔

دوسرے روز امیر حمزہ دربار میں حاضر ہوئے تو بادشاہ خلافِ توقع بُہت خُوش اخلاقی اور محبّت سے پیش آیا۔ اُن کو سینے سے لگایا اور کہا۔

"لِندھور کا سر کاٹنا ہمارا مقصد نہ تھا یہ تو صرف تمہارا امتحان تھا۔ ہم خُوش ہیں کہ تُم اِس امتحان میں پورے اُترے۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ جلد سے جلد شہزادی کو تمہارے حوالے کر دیں۔ جاؤ شادی کی تیّاریاں کرو۔"

یہ سُن کر امیر حمزہ کی خوشی کا ٹھکانا نہ رہا۔ بے اختیار نوشیر واں کے ہاتھوں کو

چُوما اور ہنستے کھیلتے اپنے لشکر میں آئے۔ سب کو یہ خوش خبری سُنائی۔ بہرام، لِندھور اور سُلطان بخت مغربی نے مبارک باد پیش کی اور ہر طرف جشن منایا جانے لگا۔

اِدھر سقر غار شہزادی کے پاس گئی اور کہنے لگی کہ شہزادی مبارک ہو۔ بادشاہ سلامت نے امیر حمزہ سے تمہاری شادی طے کر دی ہے۔ اب تمہیں دُلھن بنانے کا حکم دیا ہے۔ آؤ میرے ساتھ چلو۔ مِہر نگار خُوشی سے پھُولی نہ سمائی اور سوچے سمجھے بغیر سقر غار کے ساتھ چل دی۔ وُہ مکّار بُڑھیا شہزادی کو ایک سجے سجائے تہہ خانے میں لے گئی۔ وہاں بُہت سی لونڈیاں باندیاں موجُود تھیں۔ اُس نے شہزادی کو دُلھن بنانا شروع کیا اور گانے بجانے کی محفل گرم ہُوئی۔

کئی دن گُزر گئے اِس دوران میں شہزادی مِہر نگار کے بیمار ہو جانے کی خبر پھیل گئی۔ جس سے امیر حمزہ سخت پریشان ہُوئے اور کھانا پینا تک چھُوڑ دیا۔ ایک روز آدھی رات کے وقت شہر مدائن میں سے آوازیں سُنائی دیں۔ معلوم

ہُوا کہ شہزادی مر گئی۔ یہ سُنتے ہی امیر حمزہ پچھاڑ کر زمین پر ِگر پڑے۔ بہرام اور لِندھور اُنہیں سمجھانے لگے کہ خُدا کی ماضی میں کسی کو کیا دخل ہے۔ اب صبر کرنا چاہیے لیکن امیر حمزہ کو کِسی کَل چین نہ آتا تھا۔ عُمرو سے امیر حمزہ کی یہ حالت دیکھی نہ گئی۔ کہنے لگا۔

"خُدا کے واسطے صبر کرو۔ میں شہزادی مِہر نگار کے محل میں جا کر سب حال معلوم کرتا ہوں۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ شہزادی مر گئی ہو۔ ضرور اِس میں بھی بھید ہے۔"

یہ سُن کر امیر حمزہ کو بھی خیال آیا ممکن ہے دشمنوں نے کوئی چال چلی ہو۔ اُنہوں نے عُمرو کو جانے کی اجازت دے دی۔

اُدھر عُمرو جب شہزادی مِہر نگار کے محل "شبستان" کے قریب پہنچا تو خواجہ سراؤں نے ملکہ کو خبر دی کہ عُمرو عیّار محل کے آس پاس منڈلا رہا ہے۔ سقر غار نے ملکہ کے کان میں کہا۔ "عُمرو کو محل کے اندر بُلا لیجئے۔ وُہ یہاں جب کنیزوں اور خادماؤں کا رونا دھونا دیکھے گا تو اُس کے دِل میں کوئی شک باقی نہ

رہے گا۔"

ملکہ کے حکم سے عُمرو کو محل کے اندر بُلا لیا گیا۔ عُمرو نے دیکھا کہ ہر طرف شورِ ماتم برپا ہے۔ سب کنیزوں، لونڈیوں، باندیوں اور خادماؤں نے سیاہ لباس پہن رکھے ہیں اور ایک جگہ بیٹھی شہزادی مِہر نگار کو یاد کر کے رو رہی ہیں۔ ملکہ بھی بار بار رومال مُنہ پر رکھتی اور رونے کی آواز نکالتی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر عُمرو کا کلیجہ بیٹھ گیا۔ اُسے یقین ہو گیا کہ شہزادی کے مرنے کی خبر غلط نہیں ہو سکتی۔

اِتنے میں عُمرو نے دیکھا کہ بختک کی بڑھیا ماں سقر غار ملکہ کے پاس آئی اور اُس کے کان میں کچھ کھُسر پھُسر کر کے چلی گئی۔ عُمرو چوکنا ہو گیا۔ اُس نے دِل میں کہا کہ یہاں بختک کی ماں مکّار ماں کا بھلا کیا کام۔ ضرور کوئی خاص بات ہے۔ اُسی وقت وہاں سے اُٹھا، اپنی شکل بڑھیا کی سی بنائی اور ہاتھ میں لکڑی لے کر ٹیکتا ٹیکتا سقر غار کے پیچھے چلا۔ وُہ ایک تہہ خانے میں اُتری جہاں کسی قدر اندھیرا تھا۔ عُمرو نے پیچھے سے کہا۔

"اے بہن، ذرا آہستہ چلو۔ میں تو ہانپنے لگی۔"

سقر غار نے مُڑ کر دیکھا کہ یہ کون عورت ہے تو عُمرو نے اُسی وقت اُس کا گلا اِس زور سے دبایا کہ وُہ آواز بھی نہ نکال سکی اور مر گئی۔ عُمرو نے اُس کی لاش لے جا کر باغ میں چھُپائی اور آپ اُسی کی شکل بنا کر دوبارہ تہہ خانے میں اُترا۔ تھوڑی ہی دُور چلا تھا کہ سامنے سے مِہر نگار کی ایک کنیز ہاتھ میں شمع لِیے آتی دکھائی دی۔ اُس نے عُمرو کو سقر غار سمجھ کر کہا۔

"بڑی بی کہاں غائب تھیں؟ شہزادی کئی مرتبہ تمہیں پوچھ چُکی ہے۔ اب میں تمہیں بُلانے جا رہی تھی۔"

"اے بیٹی، غائب کہاں ہوتی۔ وُہ مُوا عُمرو عیّار آیا تھا شہزادی کی خبر لینے۔۔۔ میں ملکہ صاحبہ کے پاس بیٹھی تھی اِس لیے دیر ہو گئی۔"

عُمرو یہ جواب دے کر اُس کنیز کے ساتھ تہہ خانے میں اُترا۔ کیا دیکھتا ہے کہ شہزادی مِہر نگاہ بال بال موتی پروئے دُلھن بنی بیٹھی ہے۔ عُمرو نے اُسے صحیح سلامت پا کر خدا کا شکر ادا کیا۔ شہزادی نے کہا۔

"امّاں، آپ کہاں چلی گئی تھیں؟ کیا امیر حمزہ آ گئے؟"

عُمرو نے جواب دینے سے پہلے کنیز کو ایک کام سے تہہ خانے کے باہر بھیجا پھر اپنی اصلی شکل میں آ گیا۔ شہزادی مِہر نگار عُمرو کو یکا یک اپنے سامنے پا کر سکتے میں آ گئی۔ اب عُمرو نے جلدی جلدی کہنا شروع کیا۔

"شہزادی صاحبہ، کیسی بارات اور کیسا دُولھا۔ شہر بھر میں آپ کے مرنے کی خبر پھیلی ہوئی ہے۔ میں بڑی مُشکل سے سقر غار کو ہلاک کر کے اور اُس کی صورت بنا کر یہاں پہنچا ہوں۔ اب جلدی سے ایک رقعہ اپنی خیریت کا لکھ دو تا کہ میں امیر حمزہ کو دُوں۔"

شہزادی نے عُمرو کے کہنے کے مطابق رُقعہ لکھ کر دیا۔ عُمرو نے پھر شہزادی کو تسلّی دی۔

"گھبرانا مت۔۔۔ ہم بہت جلد کِسی ترکیب سے آپ کو لے جائیں گے۔ اچھا۔ خُدا حافظ۔"

عُمرو تہہ خانے سے باہر نکلا اور اپنے لشکر کی جانب روانہ ہو گیا۔

اِس کے بعد کیا ہُوا؟

اِس حیرت انگیز داستان کا چوتھا حصّہ

"امیر حمزہ میدانِ جنگ میں"

پڑھیے۔ نوشیرواں کے نئے نئے ہتھکنڈے، ہفت ملک کی خطرناک مہم اور دُوسرے دلچسپ واقعات